ہفت روزہ خدام الدین لاہور

* فیض کیا چیز ہے ؟

(ارشادات حضرت لاہوریؒ)

* اِسلام ایک تغیّر پذیر دُنیا میں

(مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی)

* دوستی و تعلّق کا مستحق کون ؟

مولانا عبیداللہ انور مدظلہٗ

اندرونی صفحات پر ملاحظہ فرمائیں

۲۳ ۲۸ 62

05.5.78

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

صلۂ رحمی کا معیار

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِیْ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلُ الَّذِیْ اِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رشتہ کا جوڑنے والا وہ نہیں ہے جو دوسرے کے سلوک کا ویسا ہی بدلہ دے جیسا اس کے ساتھ کیا گیا ہو بلکہ رشتے جوڑنے والا تو وہ ہے کہ اس سے قطع تعلق کیا جائے پھر بھی وہ جوڑے رکھے۔

بہت سے لوگ یہ کہہ کر پیچھا چھڑا لیتے ہیں کہ جیسا کہ کوئی ہمارے ساتھ سلوک کرے گا ویسا ہی ہم اس کے ساتھ کریں گے ہم خواہ مخواہ کیوں کسی کے سر ہوتے پھریں کہ وہ تو ہم سے بھاگے اور ہم اس کے پیچھے دوڑیں۔ اس حدیث میں ہے کہ ایسا شخص خواہ اپنے اس فعل کو درست سمجھے۔ اللہ کے ہاں اسے رشتہ کے جوڑنے والے کا لقب نہیں ملے گا۔ یہ تو وہ جذبہ ہے جو اکثر جانوروں میں بھی پایا جاتا ہے۔ انسانیت کے معیار پہ تو وہ شخص اترے گا جو ان لوگوں سے بھی میل جول بنائے رکھے جو اس سے قطع تعلق کر چکے ہیں۔ اگرچہ ایسی مثالیں دنیا میں کم دیکھی جاتی ہیں لیکن اسلام انسان میں ایسے ہی اخلاق دیکھنا چاہتا ہے۔ ایسے اخلاق والے کے لیے دنیا میں بھی بڑا درجہ ہے اور آخرت میں تو اسے اس کے عوض بڑی بڑی نعمتیں ملیں گی۔ اگرچہ یہ بات مشکل ضرور ہے کہ انسان اپنے اندر اتنا تحمل اور اس قدر بردباری پیدا کرے کہ دوسروں کی بے اعتنائی کے مقابلہ میں ان سے میل جول قائم رکھے اور برائی کے بدلے میں ان کے ساتھ بھلائی کرے یہ بات ان لوگوں کے لیے آسان ہے جو اللہ، اس کے رسولؐ اور قرآن پر سچے دل سے ایمان رکھتے ہیں اور اعمال کی جزا کو اٹل سمجھتے ہیں۔ ان کے لیے قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہی سب کچھ ہے۔ اسلامی اصولوں کے مطابق عمل کرنا ان کی زندگی کا مقصد بن گیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اگر ہمارا مرنا جینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ہو گیا تو ہمارا بیڑہ دونوں جہان میں پار ہے چنانچہ وہ رضائے الٰہی کی خاطر ان سے بھی تعلق نہیں توڑتے۔ جو ان سے رشتہ توڑنے پر تلے ہوتے ہوں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ زمانہ بدل گیا اب اخلاق کا وہ معیار نہیں ہے جو پہلے زمانہ میں ہوتا تھا۔ ان حالات میں ہم اسلامی اخلاق واقدار کیسے قائم رکھیں اور اپنے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کیسے کریں۔ انہیں سوچنا چاہیے کہ اگلے وقتوں میں بھی اچھے برے ہر قسم کے لوگ تھے لیکن اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے وہ سدھر گئے۔

لہٰذا اصل سوال یہ ہے کہ تم میں اتنی ہمت ہے کہ زمانہ والے اگر بگڑنے لگیں تو ان کا ساتھ چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھلائی ہوئی باتوں پر عمل کرو؟ اگر ہے تو تم نہ ماننے والوں کے ہمیشہ مصلح ہو گے۔ لیکن اگر تم بھی اوروں کی طرح زمانہ ساز ہو گئے تو پھر اس بات کا دعوےٰ کرنا چھوڑ دو کہ ہم اوروں سے افضل ہیں۔ ہمارے پاس اسلام ہے۔ جب تم ہی دب گئے تو اسلام کیا کرے گا وہ تو ان کا ذمہ لیتا ہے جو اس کے سکھلائے ہوئے طریقہ پہ چلیں۔

یہ حدیث ہمیں بتلاتی ہے کہ دنیا میں ایسے مسلمان بھی تھے جو بہت دن تک رہے۔ جنہوں نے اپنے جذبات پہ اسلام کی بدولت قابو پا لیا تھا۔ آپ نے اسی شخص سے جو رشتہ داروں کے ساتھ برائی کے بدلے بھلائی کر رہا تھا فرمایا کہ جب تک تو ایسا کرتا رہے گا۔ اللہ تیری مدد کرے گا۔

ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور

جلد ۲۳ ❁ شمارہ ۲۹
۵ مئی ۷۸ء تا ۱۱ مئی ۷۸ء

کاشکے مرا مادر نہ زادے

پاکستان میں قومی سطح پر آج کل جو مسئلہ سب سے زیادہ بحث و تمحیص کا موضوع بنا ہوا ہے وہ ہے "قومی حکومت کا قیام"

جنرل محمد ضیاء الحق جو ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کی رات مسٹر بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹ کر برسراقتدار آئے تھے، ابتداء میں فوری طور پر انتخابات کرانے کے معاملہ میں بہت پُر جوش تھے، چنانچہ انھوں نے جلد ہی اکتوبر ۱۹۷۷ء میں انتخابات کا اعلان بھی کر دیا اور مختلف الخیال سیاست دانوں کو حفاظتی نظر بندی سے آزاد کر کے سیاسی سرگرمیوں کی اجازت بھی دے دی اور انتخابی مہم چند دن چلی بھی لیکن چندے بعد انہیں محسوس ہوا کہ معاملہ اتنا آسان نہیں اور قوم کی امیدوں کا خون کرنے والے بھٹو نے وہ وہ حرکات کی ہیں کہ ان کا محاسبہ ازبس ضروری ہے۔ اس پس منظر میں انتخابات ملتوی ہوتے اور "احتساب" کا سلسلہ تیز تر کر دیا گیا۔ لیکن تیزی کے باوجود ابھی تک چند افراد کا محاسبہ ہو سکا ہے اور ہنوز روز اوّل والا معاملہ ہے۔ حالات اپنی قدرتی رفتار کے ساتھ چلتے رہے۔ بھٹو صاحب کے دور کے مراعات یافتہ لوگ ہنگامہ آرائی کا پروگرام بناتے رہے اور کہیں کہیں چھوٹی موٹی شرارتیں کرتے بھی رہے لیکن اپنے منصوبہ کے مطابق کوئی بڑا ہنگامہ بھی نہ کر سکے اب جبکہ یہ طے ہو گیا ہے کہ انتخابات بوجوہ جلدی نہیں ہو سکتے اور اس کے لیے وقت درکار ہے اور ادھر صورتِ حال ایسی ہے کہ حکومت کا عوام سے رابطہ نہ ہونے کے برابر ہے تو اس نے سیاست دانوں کو دعوت دی کہ وہ آئیں اور بات چیت کر کے قومی حکومت کا ڈول ڈالیں تاکہ ملکی نظم و نسق پر کنٹرول کیا جاسکے اور سیاست دان "نمبرداری" کے ساتھ ساتھ "ذمہ داریوں" میں بھی شریک ہو سکیں۔

ہم اس مسئلہ پر کوئی رائے دینے کی پوزیشن میں نہیں، اس لیے کہ اس کے حسن و قبح پر سوچنا بڑے لوگوں کا کام ہے، تاہم ایک بات جو بالکل واضح ہے وہ یہ ہے کہ مختلف الذہن اور مختلف الخیال پارٹیوں کے نمائندوں کے لیے اس نیّا کی کھیون ہاری ایک ایک سنگین مسئلہ ہو گا، ہمارے سامنے سنگینی کا ایک اور پہلو بھی ہے اور وہ ہے انتظامیہ کا مسئلہ۔ اربابِ بصیرت اس بات سے بے خبر نہیں کہ ہمارے یہاں شروع سے ہی "انتظامیہ" کا مسئلہ دگرگوں رہا ہے اور انگریزی دور کی بیورو کریٹ نے اپنے غیر ملکی آقاؤں کی تربیت کے پیشِ نظر آزادی کے بعد بھی مثبت اور شریفانہ رویہ اختیار نہیں کیا، ملک غلام محمد اور سکندر مرزا جیسے لوگ بیوروکریٹ ہی میں شامل تھے۔ جو پیہم سازشوں سے ملک

اس شمارے میں

★

رئیس الادارہ
پیر طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ

مدیر منتظم : میاں محمد اجمل قادری
مدیر : سعید الرحمن علوی
مدیر معاون : ارشد حسن ثاقب
شعبہ کتابت : محمد فضل ، عبد الحمید
عنوانات : عبد الرشید تلمیذ حضرت نفیس رقم مدظلہ

بدل اشتراک | سالانہ ۶۰/ روپے ، ششماہی ۳۲/ روپے
سہ ماہی ۱۸/ روپے ، فی پرچہ ۱/۵۰

پبلشر مولانا عبید اللہ انور - پرنٹر الٰہی بخش - مطبع کاسمو پرنٹرز ۵۰ لوہاری گیٹ لاہور

کے اقتدار ملک پر مسلط ہو گئے اور پھر ان کی سازشی طبیعتیں جو رنگ لائیں وہ ہر کسی پر عیاں ہے۔

ع عیاں را چہ بیان

ایوب خان جیسا آدمی چار سالہ مارشل لاء اور چھ سالہ "جمہوری حکومت" کے باوجود اس طبقہ پر کنٹرول نہ کر سکا اور بالآخر یہی لوگ اس کے زوال کا ذریعہ بن گئے، رہ گیا یحییٰ خاں تو اسے اپنے مخصوص اعمال سے ہی فرصت نہ تھی۔ اس لیے اس کے زمانہ میں بالکلیہ انحصار ہی اس طبقہ پر تھا۔ اور جب بھٹو کا دور آیا تو اس نے جس طرح ہر شعبہ میں مار دھاڑ کی وہ تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے ——غیر جمہوری دور کی پیداوار یہ انسان "جمہوری دور کی برکات" سے واقف تھا۔ اس لیے اس نے خوب گل کھلائے، انتظامیہ میں وسیع پیمانے پر تبدیلی لاتعداد لوگوں کو بیک بینی دوگوش نکال باہر کرنا، من مرضی کے آدمی بھرتی کرنا وغیرہ چیزیں اس کے دور میں عام تھیں۔

ہماری موجودہ حکومت شاید اس مسئلہ کو محسوس نہیں کر رہی کہ جب تک اس طبقہ کا سختی سے محاسبہ نہ ہو گا اس وقت تک گاڑی پٹڑی پہ مشکل سے آئے گی۔ انتظامیہ کا ملحد و بے دین اور بے عمل و راشی عنصر پورے نظام کو تاراج کر رہا ہے، اسے وسیع و عریض بنگلوں، لمبی لمبی کاروں اور اخلاق باختگی جیسے کاموں سے ہی دلچسپی ہے اور بس ——مختلف الخیال افراد پر مشتمل قومی حکومت بنے اور آگے انتظامیہ یہ ہو تو خدا ہی خیر کرے۔ اس لیے اس ضمن میں ہماری گذارش محض اتنی ہے کہ ہمارے زعماء اس ضمن میں جہاں باقی مسائل و شرائط پر گفتگو کریں وہاں اس بے لگام طبقہ کو لگام دینے کے مسئلہ پر بھی سوچ و بچار کریں۔

باقی جو اصل بات ہمیں کہنا ہے وہ یہ ہے کہ اس ملک میں تین قسم کے طبقات ہیں۔ جو سیاسی میدان میں موجود ہیں۔ پی پی پی اس کی حلیف جماعتیں اور قومی اتحاد میں شامل جماعتیں، پی۔پی۔پی کا ایک موثر عنصر شامتِ اعمال کے پیشِ نظر جیل کی تاریک کوٹھڑیوں میں موجود ہے، دوسرا عنصر وہ ہے جو حکومت کو جل دے کر بیرونی دنیا میں پہنچ کر ملک و قوم کی رسوائی کا سامان کر رہا ہے۔ اور تیسرا عنصر "کوثر نیازی" جیسے "پاکدامن" لوگوں کی قیادت میں:

ع اصلاحِ دو عالم ہم سے ہے،

کا نعرہ لگا رہا ہے، یہی گروہ ہے جو قومی حکومت میں شمولیت کے لیے بیقرار ہے اور شاید سب سے زیادہ! ایک تو اس طرح ان لوگوں کو اپنی پگڑی کا تحفظ مل جائے گا۔ دوسرے انتظامیہ کے اندر گھسے ہوئے گندے انڈے ان کی چھتری تلے پناہ لے سکیں گے اور پھر نہیں کہا جا سکتا ہے کہ جانِ نازک پہ کیا بیتے گی؟

رہ گئیں پی۔پی۔پی کی حلیف جماعتیں تو ان میں تقریباً سبھی اپنی موت آپ مر چکی ہیں۔ البتہ خان عبدالقیوم خان کی شکل میں قیوم لیگ یا بالفاظِ دیگر "اصلی تے وڈی لیگ" موجود ہے، اس کی ممبرشپ ہو یا نہ ہو، ورکنگ کمیٹی ہو یا نہ ہو خان صاحب موجود ہیں۔ اور انہیں دعوت دی گئی تو وہ بصد خوشی اسے قبول فرما لیں گے۔ بلکہ حصولِ دعوت کی کوشش فرمائیں گے۔

اس کے بعد قومی اتحاد ہے —— وہی قومی اتحاد جو ۷۷ء میں ایک طاقت بن کر سامنے آیا، اس نے "نظامِ شریعتِ مصطفوی" کا دنیا کو نعرہ دیا اور یہ نعرہ چونکہ قوم کے دل کی آواز تھا اس لیے ہر طرف اتحاد ہی اتحاد نظر آنے لگا۔

لیکن اب جو اتحاد کی کیفیت ہے اس پہ ہر دردِ دل رکھنے والا یہی کہتا ہے۔

ع کاشکے مرا مادر نزادے

پہلے تو تحریکِ استقلال گئی۔ اور ہم کیا کہیں؟ بدقسمتی سے اصغر خان اپنی ملازمت اور فن میں جتنے بڑے تھے سیاست میں اتنے ہی چھوٹے ثابت ہوئے اور انھوں نے اپنے نام لیواؤں کو سخت مایوس کیا۔ بعد میں جمعیۃ علماء پاکستان مفروضوں کی بنیاد پر علیحدگی کی باتیں کرنے لگی اور اب یہ حالت ہو چکی ہے کہ لوگ اس کے طرزِ عمل سے بھی سخت مایوس ہو چکے ہیں۔ اس جماعت کے ذمہ دار حضرات جنہیں "اہلِ علم" ہونے کا دعویٰ ہے، قومی سٹیج پر وہ کچھ کر رہے ہیں کہ توبہ بھلی! اور اب این۔ڈی۔پی کا نمبر آیا ہے۔ اس کے دو اہم لیڈر یعنی ولی خان اور ان کی بیگم ملک سے باہر ہیں۔ مزاری صاحب جو صدر ہیں اپنے سابقہ موقف کے بجائے ایسا موقف اختیار کر رہے ہیں جس کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں۔ یہ تو ہوا تین جماعتوں کا قصہ رہ گئی باقی چھ جماعتیں۔ تو وہی اگر یکجانی کے ساتھ یک دلی کا مظاہرہ کرتیں تو اندھیرے میں روشنی کا سماں ہو جاتا۔ لیکن افسوس کہ پروانگانِ شمعِ نظامِ شریعت کے جوان و پاکیزہ خون پر بننے والی عمارت عجیب کس مپرسی کا شکار ہے؟ یورپ تجارت کے نام پر متحد ہو گیا اور ہندو جنتا کے نام پر! لیکن جن کا خدا، رسول، قرآن اور

کبھ ایک ہے ان کا یہ حال ہے —— گستاخی معاف! یہ دنیا میں پنپنے کی باتیں نہیں، ہماری آواز بہت کمزور اور نحیف ہے۔ خواہش یہی ہے کہ یہ آواز کسی طرح ان لوگوں تک پہنچ جائے جنہیں قوم نے قربانی دے کر قیادت کے تخت پر بٹھایا۔ اے قائدین قوم —— جو قوم تخت فراہم کر سکتی ہے وہ واپس بھی لے سکتی ہے۔ اپنے عمل و کردار سے اخلاص کا ثبوت دو، اور ملک کو اس بھنور سے نکالو!

علی
۲۹-۴-۷۸ء

سانحہ ارتحال

۱۸، اپریل کی شام میرے ہم ضلع اور انتہائی مخلص عالم مولانا مفتی محمد سعید صاحب آف میانی انتقال کر گئے۔ اِنّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون۔

مرحوم مفتی صاحب حضرۃ علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے۔ احیاء سنّت و اخماء بدعت میں مرحوم کی دلچسپی اور محنت قابلِ قدر تھی۔ پیرانہ سالی کے باوجود ہر تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے۔ بالخصوص تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء اور تحریک نظام شریعت ۱۹۷۷ء میں انتہائی سرگرمی سے حصّہ لیا۔

جمعیۃ علماء اسلام سے خصوصی تعلق تھا۔ اور آپ کے صاحبزادے برادرم قاضی ضیاءاللّٰہ مقامی جمعیۃ کے اہم عہدہ دار ہیں۔ میانی میں مدرسہ شبیریہ آپ کی سرپرستی میں خدمتِ دین و علم کی مثالی درسگاہ ہے۔ کچھ عرصہ سے مرحوم میانی کے ساتھ ساتھ ملکوال میں بھی دینی خدمت سرانجام دے رہے تھے اور ملکوال کے مخصوص ماحول میں آپ کا خلوص رنگ لایا اور اہلِ حق کا عظیم مرکز قائم ہو گیا۔ وہاں آپ نے "بزمِ توحید" قائم کی۔ جس کا مقصد عقائد و اعمال کی اصلاح ہے۔

درسِ قرآن سے آپ کو خاص شغف تھا۔ اور حضرت الامام لاہوریؒ کی طرح جن سے آپ کو خاص عقیدت تھی۔ زندگی کے آخری دن بھی مفصّل درس دیا، مغرب کی نماز کے لیے وضو کیا تو اچانک دل کی تکلیف محسوس ہوئی۔ فوری طور پر ڈاکٹر صاحب نے اپنی کار بھیج کر ہسپتال بلوا لیا۔ ابھی ڈاکٹر صاحب انجکشن بھر ہی رہے تھے کہ آپ نے تین دفعہ اللّٰہ اکبر کہا، کلمہ شہادت پڑھا اور اللّٰہ کو پیارے ہو گئے

اس حادثہ جانکاہ پر ہم انتہائی ملول ہیں۔ اور بارگاہ قدس میں دست بدعا ہیں کہ ارحم الراحمین مرحوم کے ساتھ اپنی خصوصی شفقت کا معاملہ فرمائیں اور تمام لواحقین و متعلقین کو صبرِ جمیل کی توفیق بخشے۔

غمزدہ: علوی

خطبہ جمعہ

دوستی و تعلق کا مستحق کون ہے

جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عبید اللہ انور مدظلہم

بعد از خطبہ مسنونہ!

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَاءَ ------

------ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ

(صدق اللہ العظیم)

ترجمہ آیات سورۃ ممتحنہ ۱-۲-۳

"اے ایمان والو! نہ پکڑو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست، تم ان کو پیغام بھیجتے ہو دوستی سے۔ اور وہ منکر ہوئے ہیں اس سے جو تمہارے پاس آیا سچا دین نکالتے ہیں رسول کو اور تم کو اس بات پر کہ تم جانتے ہو اللہ کو جو رب ہے تمہارا، اگر تم نکلے ہو لڑنے کو میری راہ میں اور طلب کرنے میری رضامندی۔ تم ان کو چھپا کر بھیجتے ہو دوستی کے پیغام، اور مجھ کو خوب معلوم ہے جو چھپایا تم نے اور جو ظاہر کیا تم نے اور جو کوئی تم میں یہ کام کرے تو وہ بھول گیا سیدھی راہ، اگر تم ان کے ہاتھ آجاؤ، ہو جائیں تمہارے دشمن اور چلائیں تم پر اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ، اور چاہیں کہ کسی طرح تم بھی منکر ہو جاؤ۔ ہرگز کام نہ آئیں گے تمہارے کنبے والے اور نہ تمہاری اولاد قیامت کے دن، وہ فیصلہ کرے گا تم میں، اور اللہ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔"

(ترجمہ حضرۃ شیخ الہند قدس سرہٗ)

سورۃ مبارکہ کا موضوع

یہ سورت جس کی آیات تلاوت ہوئیں سورۃ ممتحنہ ہے جو مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی صرف دو رکوع اور تیرہ آیات پر مشتمل ہے۔ اس کا موضوع حضرۃ الامام شیخ التفسیر مولانا لاہوری قدس سرہٗ کے الفاظ میں "مقاطعہ عن الکفار" ہے، یعنی کفار سے قطع تعلق!

حضرۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کفار سے قطع تعلق کے یہاں چار اسباب ذکر فرمائے ہیں:۔

پہلا یہ کہ وہ "عدوی" میرے یعنی اللہ کے دشمن ہیں۔

دوسرا یہ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمن ہیں "یخرجون الرسول"۔ تیسرا یہ کہ وہ قرآن کے دشمن ہیں۔ "قد کفروا بما جاء کم من الحق"۔ اور چوتھا یہ کہ وہ تمہارے بھی دشمن ہیں۔ "عدوکم"۔ (حواشی حضرتؒ صـــ ۸۹۵)۔

اب جو خدا، اس کے رسول، اس کی کتاب اور اس کے ماننے والوں یعنی مسلمانوں کے دشمن ہیں کیا وہ اس قابل ہیں کہ ان کو دوست بنایا جاتا ہے؟ نقل یعنی قرآن و حدیث کے علاوہ عقل سلیم کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ ایسے لوگ دوستی کے لائق نہیں۔

آیات کا شانِ نزول

مستند تفاسیر کے پیش نظر یہ آیات جو نازل ہوئیں تو ان کا سبب نزول یہ ہے کہ غزوۂ بدر اور فتح مکہ کے درمیانی عرصہ میں مکہ کی ایک مغنیہ عورت مدینہ آئی۔ حضور علیہ السلام نے اس کا سبب آمد پوچھا تو اس نے اسلام اور ہجرت سے تو انکار کیا۔ البتہ یہ کہا کہ مکہ کے بڑے بڑے سردار مارے جا چکے ہیں۔ اب میرا وہاں گزارہ مشکل ہے آپ لوگ شریف النسب ہیں، اس لیے یہاں چلی آئی ہوں آپ نے بنی عبدالمطلب کو اس کی امداد کی ترغیب دی۔ جنھوں نے نقد و پوشاک کے ذریعہ امداد کر کے اس کو رخصت کر دیا یہ وہ دور تھا جب اہل مکہ نے صلح حدیبیہ کو توڑ ڈالا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ پر حملہ کی تیاری میں مصروف تھے، آپ کی خواہش و دعا تھی کہ کفار بےخبر رہیں۔ تاکہ آسانی سے مکہ فتح ہو جاتے اور وہاں خون خرابہ نہ ہو۔ حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ صحابہ بدر میں سے ایک بزرگ تھے، جو اصل میں یمن کے باشندے تھے ان کے اہل و عیال مکہ میں تھے اور چونکہ کفار مکہ ہجرت کرنے والے حضرات کے اہل و عیال، جو ابھی مکہ میں تھے انہیں ستاتے تھے۔ اس لیے ان حضرات کو فکر رہتی جن لوگوں کی مکہ میں عزیزداریاں تھیں انہیں تو پھر قدرے آرام تھا، لیکن حضرۃ حاطب جیسے لوگوں کے لیے بہت مشکل تھی۔ انھوں نے اس عورت کے ذریعہ حضور

علیہ السلام کی تیاریوں کی کفار کو خبر دے دی۔ جس میں یہ الفاظ بھی تھے۔ "خدا کی کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا بھی تم پر حملہ آور ہوں تو اللہ ان کی مدد کرے گا اور جو وعدے ان سے کئے ہیں پورے کر کے چھوڑے گا۔ اس یقین کے باوجود خط بھیج کر اطلاع کا معاملہ سخت تشویشناک تھا۔

نبی کریم علیہ السلام کو بذریعہ وحی اطلاع ہو گئی تو آپ نے حضرة علی اور ابو مرثد اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم کو بھیجا کہ تعاقب کر کے وہ خط حاصل کریں۔ آخر اس عورت کو انھوں نے راستہ میں پا لیا۔ اور بمشکل اس سے وہ خط حاصل کر لیا۔ واپسی پر حضرة عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی سختی کا اظہار کیا اور رسول اللہ سے اجازت مانگی کہ "حاطب" کی گردن مار دوں؟ آپ نے ان سے پوچھا تو اپنے ایمان و یقین کا اظہار فرمایا اور عرض کیا کہ میں اب بھی بحمد اللہ مسلمان ہوں چونکہ میرے عیال مکہ میں ہیں، کوئی جاننے والا نہیں تو میں نے سوچا کہ کفار پر احسان کر کے ذرا سا تحفظ حاصل کر لوں، جبکہ فتح و نصرت خداوندی تو آپ کو مل کر رہے گی۔ تب آپ نے ان کے متعلق تو صحابہ سے فرما دیا کہ "حاطب کو بھلائی کے بغیر کچھ نہ کہو" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر بات دہرائی اور آپ نے اہلِ بدر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے خصوصی معاملہ کی طرف توجہ دلا کر بھلائی کا حکم فرمایا۔ یہ مضمون بخاری، مسلم، ابن کثیر، قرطبی، تفسیر عثمانی اور مظہری کا خلاصہ ہے جو عرض کر دیا۔

دوستی اور دشمنی کا معیار

اللہ تعالیٰ نے اہلِ اسلام کے لیے جہاں اور ہدایات فرمائیں وہاں ان پر یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ ان کی دوستی اور دشمنی کس سے ہونی چاہیئے۔ حضور علیہ السلام کا ایک مختصر ارشاد بہت معروف ہے۔ جس میں ہے "کہ دوستی اللہ کے لیے اور دشمنی اللہ کے لیے اور کسی کو دینا اللہ کے لیے"۔ آگے فرمایا، "جس نے ایسا کر لیا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا"۔

آپ کا یہ ارشادِ گرامی قرآنِ کریم کی متعدد آیات کا عطر و نچوڑ ہے۔ قرآن میں سورۂ آلِ عمران میں ایک جگہ کفار سے دوستی نہ کرنے کا حکم ہے، اسی سورت میں ایک اور مقام پر انہیں رازدان بنانے سے روکا گیا ہے، سورۂ مائدہ میں یہود و نصاریٰ کی دوستی سے روکا گیا ہے، یہاں اس سورت میں منع کیا گیا وغیرہ ذالک اور ایک جگہ سورۂ نساء کے اندر ان لوگوں کو "منافق" کہا گیا ہے جو مسلمانوں کے بجائے کفار سے یاری گانٹھتے ہیں اور ان کے پاس سے عزت تلاش کرتے ہیں۔ جب کہ اللہ فرماتے ہیں: فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا کہ عزتوں کے خزانوں کا مالک تو صرف اللہ ہے وہ کسی کو عزت دے تو صحیح وہ نہ چاہے تو عزت کہاں سے ملے گی؟

رواداری، عدل اور دوستی میں فرق

باقی جہاں تک کفار و معاندین اسلام سے حسن سلوک اور ان کے معاملات میں عدل و انصاف کا تعلق ہے اس کی تو خدا نے نہ صرف اجازت دی بلکہ حکم دیا۔ مثلاً سورۂ مائدہ میں واضح کیا گیا کہ "کسی قوم کی دشمنی تمہیں ناانصافی پر آمادہ نہ کرے"۔ اور تاریخ ایسے واقعات سے لبریز ہے کہ مسلمانوں نے اپنے اللہ کے حکم کے مطابق ہمیشہ عدل و انصاف اور حسن سلوک کا مظاہرہ کیا اور اس میں اپنے بیگانے کی تخصیص نہیں کی۔ جو خدا جانوروں تک پر ظلم سے روکتا ہے وہ محض عقیدہ کے اختلاف کے پیشِ نظر کسی پر ظلم کی کیسے اجازت دے سکتا ہے؟ البتہ یہ ضروری ہے کہ دوستی و رازداری و باہمی انس و محبت صرف انھی سے سے ہونی چاہیئے جو اپنے ہوں۔ ورنہ قوم کے اجتماعی معاملات کو سخت نقصان پہنچنے کا احتمال ہوتا ہے۔ جس کا ہم اپنی تاریخ میں مسلسل مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ کیا ہم لوگ اس سے بے خبر ہیں کہ ہماری بڑی بڑی سلطنتیں انہی لوگوں کی سازشوں اور شرارتوں کے پیشِ نظر تباہ ہوئیں جو اللہ اور اس کے رسولِ برحق پر مطلوبہ ایمان نہیں رکھتے تھے اور ہم نے ان پر اعتماد کیا تو وہ ہمارے گلے کا ہار بن کر وبالِ جان بن گئے۔ بغداد و اندلس اور برصغیر میں مغلوں کی سلطنتوں کی تباہی کا بنیادی ذریعہ و سبب یہی تھا کہ ایسے لوگ جو صحابہ کرام کی دین و دیانت کے دشمن تھے وہ درباروں پر چھائے ہوتے تھے اور ہم خدائی احکامات کو بھلا چکے ہوتے

کفر سب یکساں ہیں

یاد رکھیں کہ نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "الکفر ملة واحدة" یعنی کفر ایک ہی ملت ہے۔ چاہے وہ مشرق کا ہو یا مغرب کا، چاہے وہ اپنے طور پر کیسے

ہم انداز اور طور طریقوں کے مالک ہوں لیکن ہمارے مقابلہ میں سب یکساں اور برابر ہیں۔

سورۂ مائدہ میں یہود و نصاریٰ کی دوستی سے جو روکا تو فرمایا کہ وہ آپس میں دوست ہیں۔ باوجودیکہ ان میں سے یہود حضرت عیسٰی علیہ السلام پر سخت نکتہ چینی کرتے ہیں اور عیسائی انہیں خدا کا بیٹا کہتے ہیں لیکن اسلام دشمنی میں برابر۔ اور اسکا مشاہدہ آج اسرائیل اور یورپ و امریکہ کے طرزِ عمل سے ہو سکتا ہے۔

دنیا کے ساتھ عقبےٰ کا خسارہ

ان آیات میں جو ابتداء میں تلاوت کیں خدا نے واضح کر دیا کہ تمہارے کنبے والے اور تمہاری اولاد تمہارے کسی کام نہ آئیں گے۔ یاد ہو گا کہ حضرۃ حاطبؓ نے اولاد کے تحفظ کے لیے خط لکھا لیکن فائدہ؟ حفاظت و صیانت تو اللہ کے قبضہ میں ہے وہ تحفظ فراہم کر دے تو ٹھیک ورنہ کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کفر اتنا کمینہ ہے کہ جب بھی موقع ملے گا، ڈسے گا اور ضرور کیونکہ اس کی فطرت یہی ہے اور یہی بات اللہ نے درمیانی آیت میں فرمائی۔

مسلمان کی دوستی اپنوں سے ہونی چاہیئے جو آج مفقود ہے، اور اگر ہے بھی تو اس میں خلوص نہیں۔ بقول مولانا ناظر احسن ؒ سے

بظاہر تو باہم بڑی یاریاں ہیں
دلوں کو ٹٹولو تو بیزاریاں ہیں
جو اب یاریاں ہیں وہ عیاریاں ہیں
کہ در پردہ کیا کیا ستم کاریاں ہیں

مسلمان کی شان یہ ہے کہ سے

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

اشداء علی الکفار رحماء بینھم مسلمان اور سچے مسلمان کی تعریف ہے۔ لیکن دوسرے شعبہ ہائے حیات کی طرح یہاں بھی قرآن کریم کی تعلیم نظروں سے اوجھل ہے۔

پس چہ باید کرد

وقت و حالات کا ہی تقاضہ نہیں بلکہ دین و ایمان کا تقاضہ ہے کہ مالک الملک کی تعلیم کو اپنا کر، اس کی خوشنودی و رضامندی کی خاطر مسلمانانِ عالم باہم دگر شیر و شکر ہو جائیں اور کفار و معاندینِ اسلام سے اس حد تک تعلق رکھیں جس کی خدا تعالیٰ نے اجازت دی ہے۔ اندرونِ ملک سے لیکر بین الاقوامی سطح تک ہر جگہ اپنا پلیٹ فارم ہو اور اپنے خدا کے ساتھ اپنی اجتماعی قوت پر اعتماد ہو تو پھر صحیح ہے ورنہ چمن سے روٹھی ہوئی بہار کبھی پلٹ کر نہ آسکے گی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔



ارشادات مجلس ذکر

۴ ذیقعدہ ۱۳۷۵ھ

فیض کیا چیز ہے



بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

• اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْد !

آج میں تصوف کے سلسلہ میں فیض کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ یہ عامۃ الورود لفظ ہے۔ اور بزرگان دین کے متعلق استعمال کیا جاتا ہے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ فلاں بزرگ کو فلاں بزرگ سے فیض حاصل ہوا۔ یہ فیض کیا چیز ہے۔ آج میں یہی عرض کرنا چاہتا ہوں۔

آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت ہی ایسی بنائی ہے کہ یہ کسی دوسرے کا شاگرد بن کر اس سے استفادہ کرتا ہے۔ فارسی میں کہا کرتے ہیں۔ ؏

جائے استاد خالی است

کسی دوسرے شاعر نے کہا ہے ؏

ہر آں کارے کہ بے استاد باشد
یقیں دانی کہ بے بنیاد باشد

جب تک استاد خود کسی فن میں ماہر نہ ہو، اس وقت تک شاگرد کو وہ فن نہیں آتا۔

استاد کچھ کر کے دکھاتا ہے اور کچھ زبان سے بتلاتا ہے۔ اس طریقہ سے آہستہ آہستہ شاگرد استفادہ کرتا ہے لوہار، بڑھئی، درزی، کاتب وغیرہ سب اسی طرح استفادہ کر کے اپنے فن میں کمال حاصل کرتے ہیں۔ کاتب پہلے ج لکھ کر دکھلاتا ہے۔ وہ پہلے باریک قلم لگاتا ہے۔ پھر موٹی کر دیتا ہے اور پھر باریک کر دیتا ہے۔ یک دم نہیں کرتا۔ یہ عمل شاگرد کو زبان سے بھی بتلاتا ہے یہ کسی فن میں نہیں ہوتا کہ استاد شاگرد کے سامنے چپ کر کے بیٹھ جائے شاگرد بھی خاموش بیٹھا رہے اور اس کو فائدہ ہو جائے۔ شاگرد استاد کی ہر نقل و حرکت کو دیکھتا ہے۔ استاد کچھ زبان سے بھی بتلاتا ہے اور کچھ عمل سے تعلیم دیتا ہے۔ سب کسبوں میں یہی ہوتا ہے۔

اسکول اور کالجوں میں سائنس پڑھاتے ہیں تو ساتھ لیبارٹری بھی رکھتے ہیں۔ تاکہ جو کتاب میں پڑھا ہے اس کا عملی تجربہ بھی ہو جائے۔ جتنی انسانی ضروریات ہیں سب میں استادی اور شاگردی ضروری ہے۔ ہر استاد کچھ اپنے عمل سے سکھلاتا ہے اور کچھ زبانی ہدایات دیتا ہے۔ شاگرد استاد کے عمل کو بغور دیکھتا ہے اور اس کی ہدایات کو دماغ میں محفوظ رکھتا ہے اس کے بعد وہ خود بھی اس فن میں کامل ہو جاتا ہے۔

تصوف میں استفادہ کو فیض کہتے ہیں۔ اس میں ایک شرط ہے کہ طالب کچھ منزل طے کر چکا ہو۔ یعنی اللہ اللہ کرنے میں کچھ مشق کر چکا ہو تو پھر شیخ اور طالب دونوں خاموش بھی بیٹھ جائیں تو فیض آتا ہے۔ جس میں ادھر سے کچھ جاتا ہے اور طالب کچھ لیتا جاتا ہے۔ یہ بلا نقل و حرکت اور بلا تکلم ہوتا ہے۔ کامل ایک ہو اور اس کے گرد دس ہزار طالب بیٹھے ہوں۔ تو جب وہ توجہ کرتا ہے تو دس ہزار کے دل پر چوٹ لگتی ہے۔ بشرطیکہ اللہ اللہ کرنے سے کچھ قلب کی سیاہی اور شقاوت دور ہو چکی ہو۔ کامل ایک دفعہ اللہ ہو کہے گا تو دس ہزار طالبین کے قلوب کو اس کا احساس ہوگا۔ جس طرح بجلی کی کرنٹ آتی ہے۔ ایسے ہی اس کے اثر کو محسوس کریں گے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی

(سورۃ الانفال رکوع ۲ پ ۹)

ترجمہ :- اور تو نے مٹھی نہیں پھینکی تھی۔ جب کہ تو نے ہی پھینکی تھی۔ بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔

اس میں نفی اور اثبات دونوں کا ذکر فرمایا ہے۔ بعض روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور نے ریت کی ایک مٹھی پھینکی جو ہر کافر کی آنکھ میں پڑ گئی۔ مٹی پھینکی تو حضور نے مگر اس کو اتنا پھیلایا اللہ تعالیٰ نے۔ بچہ اگر ریت کی مٹھی بھر کر پھینکے تو وہ زیادہ سے

زیادہ دو تین فٹ دور جائے گی۔ اس سے طاقتور کی ذرا زیادہ۔ جتنی طاقت ہو گی اتنی دور ہو جائے گی۔ اللہ تعالٰے کی طاقت کا ہم اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ اس نے حضور کی مٹھی کا اتنا پھیلاؤ کر دیا کہ وہ ہر ایک کافر کی آنکھوں میں پڑ گئی۔ تصوف میں بھی اللہ تعالٰی کی قدرت کا کرشمہ نظر آتا ہے۔ شیخ ایک دفعہ زبان سے نہیں فقط دل میں اللہ ہو کہے گا تو اس کا اثر سب کے دل پر پڑے گا۔ اس کا نام فیض ہے کوئی کاریگر، کوئی کرنیل، کوئی جرنیل یہ کر سکتا ہے؟

شیطان سب سے زیادہ تصوف کے بھیس میں چھپتا ہے۔ اور کسی بھیس میں وہ اتنا نہیں چھپتا ہے

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نباید داد دست

لوہار، بڑھئی، کاتب وغیرہ ہر ایک کے کمال کا پتہ منٹوں میں لگ سکتا ہے۔ لوہار کو کوئی لوہے کی، بڑھئی کو لکڑی کی چیز بنانے کے لیے دے دیجئے۔ اس کے کمال کا فوراً پتہ چل جائے گا۔ لیکن صوفی کو طالب نہیں پرکھ سکتا۔ کہ کھرا ہے یا کھوٹا۔ کامل تو پرکھ سکتا ہے۔ کرنل لارنس پیر کرم شاہ کے بھیس میں مدت تک لاہوریوں کا پیر بنا رہا۔ بڑے بڑے اس سے دھوکہ کھا گئے۔ بالآخر مولوی غلام محی الدین صاحب قصوری نے بھانڈا پھوڑا کہ یہ تو کرنل لارنس ہے۔ اس کی فوٹو تو ملا کر دیکھو۔

میں کہا کرتا ہوں کہ موتی ملنے ارزاں لیکن کامل کا ملنا اس سے بھی گراں۔ تقسیم سے پہلے موتی، ہندوؤں، سکھوں کے بھی گھروں میں تھے۔ لیکن اللہ والے مسلمانوں میں بھی کمیاب ہیں۔ پبلک پلیٹ فارم پر کام کرنے والا لاہور میں ایک بھی ولی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کھینچ کر لانے والے اولیاء کرام یہاں بھی موجود ہیں۔ یہ اولیاء کرام کی ایک قسم ہے۔ ان کی بے شمار قسمیں ہیں۔ فوق کل ولی ولی لا یعلم تعداد مراتبھم الا اللہ ان کی برکتوں سے لاہور بچا ہوا ہے۔

ورنہ اسے کوئٹہ سے پہلے غرق ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ یہاں کوئٹہ سے زیادہ زانی، شرابی، بدمعاش رہتے ہیں۔

پیر تو گھر گھر ہونگے مگر کھرے بہت کم ہیں۔ کھروں کی ضرورت نہیں۔ مسلمان کو وہ پیر چاہیئے۔ جو طبلہ ہارمونیم سے نہ روکے۔ بزرگانِ دین کی قبروں پر رنڈیوں کے سلام اور گانے اور ہارمونیم بجانے سے نہ روکے۔ اور یہ کہے

کہ یہ سلام کرنے کے لیے آتی ہیں۔ عبادت بھی ہو گئی ۔ رنڈیوں کی زیارت بھی ہو گئی ۔ ہم خرما و ہم ثواب۔ تیسری رات ہوئی ہمارے محلے میں قوالی تھی۔ ساری رات طبلہ اور ہارمونیم بجتا رہا۔ گانے کی بھی آواز آتی رہی ۔ حضور کے زمانہ میں بھی اس رنگ کے دیندار ہوں گے ۔ ان کے متعلق اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں :

وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا ۔ (سورۃ الانعام رکوع ۸ پ ۷)

ترجمہ :۔ "اور انہیں چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا رکھا ہے"

اللہ تعالیٰ لاہوریوں سے اللہ والوں کی توہین نہیں کرانا چاہتے ۔ اس لیے لاہور میں کوئی نہیں ۔

میں نے جو کچھ فیض کے متعلق عرض کیا ہے اس کا عملی رنگ میں نے اپنے حضرات کے ہاں دیکھا ہے۔ وہ سوئے بھی ہوتے طالب آ کر بیٹھ جاتا تو طبیعت پر اثر ہوتا ۔

اوّل تو کامل کا ملنا مشکل ہے ۔ کامل کی پہلی شرط اتباع شریعت ہے۔ کامل اللہ تعالیٰ نے بیج کے طور پر رکھے ہوتے ہیں ۔ ان میں سے بعض اس رنگ میں رہتے ہیں کہ لاہوری ان کے منہ پر بھی تھوکنا پسند نہ کریں ۔ لیکن وہ اللہ کے ہاں مقبول ہیں ۔ اور ان کی وجہ سے اللہ کا غضب لاہور والوں سے ٹلا رہتا ہے ۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کفار مکہ یہ کہتے تھے :

اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَامْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ

(سورۃ الانفال رکوع ۴ پ ۹)

ترجمہ :۔ "اے اللہ اگر یہ دین تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا"

اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا :

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ ۔ (سورۃ الانفال : ع ۴ پ ۹)

ترجمہ : "اور اللہ ایسا نہ کرے گا کہ انہیں تیرے ہوتے ہوئے عذاب دے"

حنظلہ رضی اللہ عنہ ایک مخلص صحابی تھے ۔ ایک دفعہ وہ یہ کہتے ہوئے جا رہے تھے ۔ نافق حنظلہ (حنظلہ منافق ہو گیا ۔ سامنے سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ رہے تھے ۔ انہوں نے جب پوچھا کہ کیا ہوا تو حنظلہؓ نے عرض کیا کہ جب حضور کی صحبت میں ہوتے ہیں تو رنگ اور ہوتا ہے لیکن ان سے دور ہو جاتے ہیں تو وہ حالت نہیں رہتی ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اندر نفاق ہے ۔ حضرت صدیق اکبر نے فرمایا میری بھی یہی حالت ہے ۔ دونوں آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے ۔ اور سارا واقعہ عرض کیا ۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ ٹھیک ہے کہ جو حالت تمہاری میری موجودگی میں ہوتی ہے ۔ وہ بعد میں قائم نہیں رہ سکتی ۔ یہ فیض ہے۔ حضور کی صحبت میں اور رنگ ہوتا ہے۔ اور آپ سے دور ہو کر اور رنگ ہوتا ہے ۔ کامل سے فیض حاصل کرنے کے لیے عقیدت ، ادب اور اطاعت میں ذرا جتنا بھی فرق نہ آئے ۔ میں انگریز سے نہ ڈرتا تھا ۔ مگر اپنے حضرات سے ایسے ڈرتا تھا جیسے کوا تیر سے ۔ جب کبھی اللہ تعالیٰ ۲۵/۰۰ روپیہ مٹھی میں دے دیتے تو امروٹ شریف چلا جاتا ۔ صرف ایک دن اور ایک رات رہتا تھا ۔ اگر ان تینوں تاروں (عقیدت ، ادب ، اطاعت) میں سے ایک تار بھی کٹ گئی تو طالب گیا ۔ کہتے ہیں کہ کچی اینٹ پکی سے اچھی ہوتی ہے ۔ کچی بارش سہار لیتی ہے ۔ پکی نہیں سہارتی ۔ اللہ تعالیٰ اگر اللہ والوں کی صحبت میں پہنچائے تو وہاں سے کچھ بن کر نکلنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ۔

**

ماہانہ مجلس ذکر

انشاء اللہ تعالیٰ ، ۸ مئی ۱۹۶۸ء بروز اتوار بعد نماز مغرب ، مسجد خضراء سمن آباد لاہور میں حضرت مولانا عبیداللہ انور دامت برکاتہم ماہانہ مجلس ذکر کرائیں گے ۔ دعوت عام ہے ۔

خدمات حاصل کریں

ایک ایم ۔ اے انگلش متشرع ماہر استاد کی خدمات حاصل کیجئے :

برائے بی ۔ اے جملہ مضامین ، ایم ۔ اے انگریزی عربی اور دیگر تمام مضامین ـــــ گھر آکر بھی پڑھایا جا سکتا ہے ۔ نیز انگلش میڈیم پڑھنے والے بھی رجوع فرما سکتے ہیں ۔ پتہ حسب ذیل ہے : ـــــ

حافظ محمد سلیمان ایم ۔ اے ، ایچ ۔ پی ۔ ایچ اے معرفت حافظ احمد دین مسجد کرم بخش گڑھی شاہو ڈاکخانہ ۔

وقت ملاقات :۔ صبح ½۷ تا ½۹ شام ½۲ تا ½۴ ۔

ـــــ ماسوائے جمعۃ المبارک ـــــ

اسلام ایک تغیّر پذیر دنیا میں

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی



مُسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں "شعبہ اسلامک اسٹڈیز" کے زیرِ اہتمام ایک چار روزہ "سیمینار منعقدہ ۲۲، تا ۲۵، جنوری ۱۹۷۷ء میں" کی گئی افتتاحی تقریر ⁂

مُسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے شعبہ "اسلامک اسٹڈیز" کے زیرِ اہتمام "اسلام ایک تغیّر پذیر دنیا میں" (ISLAM IN A CHANGING WORLD) اس موضوع پر ایک چار روزہ سیمنار منعقد ہوا۔ اس سیمنار میں ملک کے ممتاز علماء، فضلاً اور دانشوروں کے علاوہ برِّصغیر کے چار مکاتب فکر، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء اور جامعہ ملیہ کے سربراہ، پروفیسر اے۔ ایم خسرو (وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) مولانا قاری محمد طیب صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند) مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء) اور ڈاکٹر مسعود حسین خاں (شیخ الجامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی) بھی شریک تھے۔

سیمنار کے داعیوں اور منتظمین نے مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی سے اس سیمنار کے افتتاح کی فرمائش کی، ۲۲، جنوری ۱۹۷۷ء کو دن میں دس بجے اس سیمنار کا افتتاحی جلسہ ہوا، جناب علی محمد خسرو (وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی) نے جلسہ کی صدارت کی۔ مسلم یونیورسٹی کا وسیع کینڈی ہال سامعین سے پُر تھا۔ ملک کے مختلف علاقوں کے مندوبین کے علاوہ جناب بدرالدّین طیّب جی (سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) یونیورسٹی کے مختلف شعبوں کے سربراہ، اساتذہ اور طلباء بھی شریک تھے۔ مجمع نے کامل توجہ اور سکون سے اس تقریر کو سُنا اور تحسین کی۔ یہ تقریر ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے دانیال احمد بھٹکلی ندوی نے قلم بند کی۔ مقرر کی نظر ثانی کے بعد افادۂ عام کی غرض سے اس تقریر کو کتابچہ کی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔

(اسحاق جلیس ندوی)



جناب وائس چانسلر صاحب، اساتذۂ جامعہ فضلائے مجلس اور معزّز حاضرین! میں سب سے پہلے اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں کہ اس سیمنار کے داعیوں کا شکریہ ادا کروں کہ انھوں نے مجھے ایسی موقر مجلس کے افتتاح کے لیے جس کا ایسا سنجیدہ اور فکر انگیز عنوان ہے دعوت دی اور عزت بخشی۔

بڑی ذمہ داری

حضرات یہ بڑی موزوں اور برمحل بات ہے کہ یہ سیمنار مسلم یونیورسٹی کے حلقے میں اور اس کے زیرِ سایہ منعقد ہو رہا ہے، جس نے ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے بدلتی ہوئی دنیا اور تغیّر پذیر عہد کا سب سے زیادہ جرأت مندانہ اور واضح طور پر نوٹس لیا۔ لیکن تغیّر کی حقیقت کو تسلیم کرنے والے اداروں اور تحریکوں پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے تغیّر اور تبدیلی کی ضرورت کا تسلیم نہ کرنا آسان ہے، اس سے کچھ ذمہ داریاں اس ادارے اور اس تنظیم پر نہیں پڑتی جو تغیّر سے انکار کر دیتا ہے۔ مگر تغیّر کی ضرورت کو تسلیم کرنے کے بعد تو ادارہ ہمیشہ کے لیے اس کا ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ کہ حالات کا دیانت دارانہ اور حقیقت پسندانہ جائزہ لیتا رہے۔ اور یہ دیکھے کہ نئے تغیّر کی حقیقت کو تسلیم کرنے اور اس کا سامنا کرنے کے لیے وہ تیار ہے یا نہیں؟

اس حیثیت سے مُسلم یونیورسٹی پر اور اس کے بعد ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں اور کارکنوں پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اور یہ حُسنِ اتفاق ہے کہ ان دونوں اداروں کے ذمہ داروں کا یہاں ایک سنگم ہو رہا ہے، ان کو خود

زمانے سے پہلے اپنا جائزہ لینا چاہیئے کہ ایک مرتبہ تغیر کو قبول کر لینے کے بعد پھر کیا وہ کسی جائز تغیّر کو قبول کر لینے کے لیے تیار ہے یا نہیں ؟

زمانہ ثبات و تغیر کا نام ہے :

حضرات آج کا عنوان ہے "اسلام تغیر پذیر دنیا میں" اس کے دو جز ہیں ایک تو "اسلام" اور ایک "تغیر پذیر دنیا" میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں کے بارے میں اپنے ناچیز خیالات پیش کروں۔ اور ہم آپ ایک کھلی ہوئی فضا میں کھلے ہوئے دماغوں کے ساتھ اس پر غور کریں:

> زمانہ اپنی تغیر پذیری اور زیادہ صحیح الفاظ میں اپنی تغیر پرستی یا اقبالؒ کے الفاظ میں "تازہ پسندی" کے لیے بدنام زیادہ ہے اور بد کم۔ بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ زمانہ تغیر پذیری ہی کا نام ہے اس میں کوئی ٹھہراؤ نہیں حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ زمانہ ثبات اور تغیّر کے متوازن مرکب اور مجموعے کا نام ہے۔

جب کبھی اس کا تناسب بگڑ جائے گا، یعنی ٹھہراؤ تغیّر پر غالب آجائے گا یا تغیر ٹھہراؤ پر غالب آجائے گا تو زمانے، سوسائٹی اور تہذیب کا قوام بگڑ جائے گا۔ ان دونوں کے تناسب کا معاملہ کیمیاوی اجزاء کے تناسب سے بھی کہیں زیادہ نازک ہے۔ زمانہ جہاں تغیّر کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس کو بدلنا چاہیئے۔ اس لیے کہ بدلنا زندگی کی کوئی کمزوری، کمی یا عیب نہیں وہ زندگی کا عین مزاج ہے، اور زندگی کی تعریف ہے ؎

ہر دم رواں، ہر دم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی

وہ زندگی، زندگی کہلانے کی مستحق نہیں۔ جس میں نمو کی صلاحیت مفقود ہو چکی ہو، وہ درخت شاداب اور پُر ثمر نہیں کہلایا جا سکتا جو اپنی نمو کی صلاحیت کھو دے۔

تغیّر پذیری یا اس کے بجائے اگر آپ اس کو نمو یا ترقی کا نام دیں تو میرے خیال میں آپ اس کے ساتھ زیادہ انصاف کریں گے۔ زمانہ تغیر قبول کرنے کے ساتھ مقابلے کی بھی ایک طاقت رکھتا ہے، ہم یہ تو دیکھتے ہیں کہ زمانہ کتنا بدل گیا اور اس تبدیلی کے مظاہر بھی ہم کو صاف نظر آتے ہیں۔ لیکن زمانے نے اپنی اندرونی صلاحیتوں کو باقی رکھنے اور اپنے صالح اجزاء و عناصر کو محفوظ رکھنے کے لیے کتنی کشمکش کی اور کس قوت مقاومت سے کام لیا۔ عام حالات میں ہم اس کو نہیں دیکھ پاتے۔ اس کے لیے ایک خاص طرح کی خورد بین کی ضرورت ہے۔ ایک دریا ہی کو آپ لیں جو روانی اور حرکت کے لیے سب سے بہتر مثال ہو سکتا ہے۔ دریا کی کوئی موج اپنی پہلی موج کی بالکل عین اور مماثل نہیں ہوتی، لیکن دریا اپنی گذرتی ہوئی موجوں کے باوجود، اپنے نام کے ساتھ اپنے حدود کے ساتھ اپنی بہت سی خصوصیات کے ساتھ ہزاروں برس سے قائم ہے۔ دجلہ و فرات آج بھی دجلہ و فرات کہلائیں گے اور گنگ و جمن آج بھی گنگ و جمن کہلاتے ہیں۔

زمانے کے اندر ٹھہراؤ بھی ہے اور بہاؤ بھی، اگر زمانہ ان دونوں خصوصیتوں اور صلاحیتوں میں سے کسی ایک سے محروم ہو جائے تو وہ اپنی افادیت کھو دے گا۔

اسی طرح کائنات میں جتنے بھی وجود، شخصیتیں اور ہستیاں ہیں سب کے اندر مثبت اور منفی لہریں برابر کام کرتی رہتی ہیں۔ ان دونوں لہروں کے ملنے سے وہ فریضہ ادا ہوتا ہے اور وہ منصب پورا ہوتا ہے، جو ان کے سپرد کیا گیا ہے۔

مذہب زندگی کا نگران ہے :

جہاں تک مذہب کا تعلق ہے، مذہب کے ایک پیرو اور طالب علم کی حیثیت سے میں مذہب کے لیے یہ پوزیشن قبول نہیں کر سکتا اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ حضرات بھی مذہب کے لیے یہ پوزیشن نہیں پسند کریں گے کہ مذہب ہر تغیر کا ساتھ دے۔ یہ کسی تھرمامیٹر کی تعریف تو ہو سکتی ہے کہ وہ:۔

> درجۂ حرارت و برودت بتلاتے یہ مرغ بادنما (WEATHER COCK) کی بھی تعریف ہو سکتی ہے جو کہ ہوائی اڈے یا اونچی عمارت پر لگایا گیا ہے صرف یہ معلوم کرنے کے لیے کہ ہوا کس طرف کی چل رہی ہے۔ لیکن مذہب کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ حضرات میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہو گا کہ مذہب کو اسکے بلند مقام سے اتار کر تھرمامیٹر یا مرغ بادنما کا نام دینا چاہتا ہو کہ مذہب کا کام یہ ہے کہ وہ صرف زمانے کی تبدیلیوں کی رسید دیتا رہے، اکنالج (ACKNOWLEDGE) کرتا رہے یا اس کی عکاسی کرتا رہے۔ صحیح

آسمانی مذہب کے تو کیا کسی نام نہاد مذہب کے پیرو یا اس کے نمائندے بھی اس پوزیشن کو قبول کر لینے کے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔

مذہب تغیر کو ایک حقیقت مانتا ہے، اور اس کے لیے وہ ساری گنجائشیں رکھتا ہے۔ جو ایک صالح، صحیح، فطری اور جائز تغیر کے لیے ضروری ہوں، مذہب زندگی کا ساتھ دیتا ہے۔ لیکن یہ محض ساتھ دینا یا محض رفاقت اور پیروی نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مذہب کا فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ اس کا فرق کرے کہ یہ صالح تغیر ہے اور یہ غیر صالح تغیر ہے، یہ تخریبی رجحان ہے اور یہ تعمیری رجحان ہے، اس کا نتیجہ انسانیت کے حق میں یا کم سے کم اس مذہب کے پیروؤں کے حق میں کیا ہو گا؟ مذہب جہاں رواں دواں زندگی کا ساتھ دینے والا ہے، وہاں وہ زندگی کا محتسب، نگران، گارجین (GAURDIAN) اور زندگی کا اتالیق بھی ہے۔ گارجین کا کام یہ نہیں کہ جو ہستی اس کی اتالیقی میں ہے، اس کے ہر صحیح غلط رجحان کا ساتھ دے اور اس پر مہر تصدیق ثبت کرے، مذہب ایسا سسٹم نہیں ہے کہ جہاں ایک ہی قسم کی مہر رکھی ہوئی ہے، ایک ہی طرح کی روشنائی ہے، اور ایک ہی طرح کا ہاتھ ہے، جو دستاویز اور تحریر آئے مذہب کا کام یہ ہے کہ وہ اس پر مہر تصدیق ثبت کر دے۔

مذہب پہلے اس کا جائزہ لے گا، پھر اس پر اپنا فیصلہ صادر کرے گا، اور ترکیب کے اور بعض اوقات مجبوراً ترہیب کے ذریعہ اس سے اسے باز رکھنے کی کوشش کرے گا اور اگر کوئی ایسی غلط دستاویز اس کے سامنے آئی ہے، جس سے اس کو اتفاق نہیں یا جس کو وہ انسانیت کے حق میں مہلک اور "تباہ کن" سمجھتا ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ اس پر مہر تصدیق ثبت کرنے سے انکار کرے گا، بلکہ اس کی بھی کوشش کرے گا کہ وہ اس کی راہ میں مزاحم ہو۔

یہاں اخلاقیات اور مذہب میں ایک فرق پیدا ہو جاتا ہے، مذہب اپنی ذمہ داری اور فرض سمجھتا ہے، کہ غلط رجحان کو روکے، ماہر اخلاقیات و نفسیات کی ڈیوٹی صرف یہ ہے کہ وہ غلط رجحانات کی نشاندہی کر دے، یا اپنا نقطۂ نظر ظاہر کر دے، لیکن مذہب اس کی کوشش کرے گا کہ وہ اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو جائے۔

مذہب کی تاریخ کی بعض آزمائشیں

مذہب کی تاریخ میں ہمیں بعض وقفے نظر آتے ہیں، جہاں ہم دیکھتے ہیں کہ مذہب اور زندگی کا ساتھ چھوٹ گیا ہے وہاں مذہب سے زیادہ پیروان مذہب اس کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ جو مذہب کے اعلیٰ اصول، عملی زندگی میں جاری اور ساری کرنے میں کوتاہی برتتے ہیں۔ یہ مذہب کی کوتاہی نہیں کہ وہ زندگی کا ساتھ نہیں دیتا، یہ پیروانِ مذہب کی کوتاہی ہے کہ وہ اپنی سستی اور کوتاہی سے زندگی کے قافلہ سے بچھڑ جاتے ہیں، لیکن مذہب اور پیروانِ مذہب کا ایسا مستحکم رشتہ اور نازک تعلق ہے کہ ان دونوں کے درمیان بہت کم نگاہیں فرق کر سکتی ہیں کہ یہ کوتاہی مذہب کی ہے، یا پیروانِ مذہب کی، تاہم ایک عظیم ادارے اور ایک عظیم تحریک کے علمبردار حقیقت پسندانہ، ناقدانہ اور مذہبی، علمی اور گروہی عصبیتوں سے علیحدہ ہو کر تاریخ کا بے لاگ اور غیر جانبدارانہ جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ اسلام بحیثیت دینی اور آسمانی تعلیمات کے اس کا ذمہ دار نہیں تھا، اور اس کے اندر کوئی ایسا نقص موجود نہیں تھا۔ جو اس کو زندگی کا ساتھ دینے اور اس کے مسائل حل کرنے سے باز رکھے۔

ان غلاموں کا یہ
مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب:

انسانوں کی پرانی کمزوری ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری دوسروں پر ڈال دیتے ہیں۔ جب بہت سے مسلمانوں سے قرآن مجید کی روشنی میں مسائل حاضرہ کے حل کرنے اور اپنی محنت و ذہانت سے قرآن مجید کے رہنما ابدی اصولوں اور بدلتی ہوئی زندگی کے درمیان مطابقت پیدا کرنے میں کوتاہی ہوتی ہے تو وہ اپنے قصور کا اقرار کرنے کے بجائے قرآن مجید پر زندگی کا ساتھ نہ دے سکنے کا الزام لگاتے ہیں، یا مخالفین کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ قرآن مجید معاذاللہ ناقص ہے، اس لیے کہ وہ ان کی ہر خواہش اور ہر ضرورت کے لیے سند جواز مہیا نہیں کرتا، علامہ اقبال نے اسی حقیقت کو اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے

ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق

بعض لوگ اس سے ایک قدم آگے بڑھا کر خود قرآن مجید کو اپنی خواہشات اور اپنی کمزوریوں اور بے اصولیوں کا تابع بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اس کی ایسی تفسیر کرنے لگتے ہیں جس سے ان کی غلط زندگیوں کا جواز نکلے، وہ اپنے کو قرآن مجید کے سانچہ میں ڈھالنے کے بجائے قرآن مجید کو اپنے فکر و عمل کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش شروع کر دیتے ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے مقدمۂ تفسیر میں اپنے مخصوص ادیبانہ اور بلیغ انداز میں اس صداقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"انھوں نے جب دیکھا کہ وہ قرآن مجید کی بلندیوں کا ساتھ نہیں دے سکتے تو انھوں نے اس کو اس کی بلندیوں سے نیچے اتارنے کی کوشش کی تاکہ وہ اس کی پستیوں کا ساتھ دے سکے۔"

بالاصلاحیت افراد کی کمی:

وہ سارے وقفے جن میں ہمیں مذہبی حلقے پر جمود طاری نظر آتا ہے یا پیروانِ مذہب کی زندگی میں الجھنیں پیدا ہو گئی ہیں، یہ ان باکمال شخصیتوں کے فقدان یا کمی کا دور ہے، جو زمانے کے چیلنج کو قبول کر کے مذہب کی مؤثر نمائندگی کرتے ہیں۔ اسلامی تاریخ کے جس دور میں بھی مذہب کی بہتر نمائندگی ہوتی اسلام اور شریعت اسلامی پر معاشرے میں کبھی بھی بے اعتمادی نہیں پیدا ہوئی۔ اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں ہمیں زمانے کی سطح سے بلند ایسی شخصیتیں نظر آتی ہیں، جنھوں نے اپنی اعلیٰ صلاحیت اور عبقری (GENIUS) شخصیت سے اپنے دور کے فتنوں کا سدِّباب، اپنے زمانے کے پیدا شدہ نئے مسائل کا حل اور مذہب کی طاقت ور نمائندگی کا فریضہ نہایت کامیابی سے انجام دیا۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اس دور میں پیدا ہوئے جب ان کی ضرورت دین اور زمانے کو تھی۔ انھوں نے اسلامی شریعت و قانون کو منقح شکل میں پیش کر کے اسلامی سلطنت کی وسعت اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل کو حل کیا، بعد کے دور میں امام ابوالحسن اشعریؒ اور امام غزالیؒ جیسے عالی دماغ افراد آئے۔ انھوں نے ان خطرات اور فتنوں کا مقابلہ کیا۔ جو ان کے زمانے میں پیدا ہوتے تھے۔

آسان اور پُرپیچ

حضرات! اگر آپ غور فرمائیں تو بات بہت آسان اور قابلِ فہم ہے۔ لیکن اگر صرف منطقی اور فلسفیانہ نقطۂ نظر سے مسئلہ سمجھنا چاہیں تو اچھا خاصہ معمّہ بن سکتا ہے۔ بات بہت سادہ ہے اور بہت آسان ہے اور بہت مشکل اور پُرپیچ بھی ہے، سادہ اس طرح ہے کہ پہلے آپ زمانے کی حقیقت کو سمجھ لیں کہ زمانہ اس طرح تغیر پذیر نہیں کہ اس کی سرعت کا نہ نظامِ اخلاقیات ساتھ دے سکتا ہے، نہ کوئی نظامِ فکر، زمانے کی حقیقت ہم سمجھیں اور زمانے کا جو اصل مقام ہے۔ اس کے ادراک کی کوشش کریں اور اس کے ساتھ ہم اسلام کو سمجھیں اور اس کا گہرا مطالعہ کر کے دیکھیں کہ قرآن مجید میں رہنمائی کے کیسے ابدی اصول دیئے گئے ہیں، اس میں زندگی کے تغیر کا کتنا اعتراف کیا گیا ہے، اور عقل و فہم سے کام لینے کی کیسی دعوت دی گئی ہے۔ ہم دیکھیں کہ ابتدائی دور کے مسلمانوں نے جن کو پہلی مرتبہ نئی نئی تہذیبوں اور فلسفوں کا سامنا کرنا پڑا تھا کس خوبی سے اپنی ذمہ داری پوری کی۔

عہدِ جدید کا ساتھ دینا کیا معنی، میں اس کو اسلام کی پوزیشن سے فروتر بات سمجھتا ہوں، اسلام تو عہدِ جدید کی رہنمائی کر سکتا ہے، اور اس کو راہِ راست پر بھی لگا سکتا ہے۔

عہدِ جدید خودکشی پر آمادہ

حضرات! مگر آپ یہ بھی دیکھیں کہ عہدِ جدید کس مہلک غار کی طرف جا رہا ہے؟ کس طرح خودکشی پر آمادہ ہے؟ اور انسانیت کے لیے پیامِ موت بن رہا ہے؟ نسلِ انسانی کی افادیت کے خلاف خدا کی عدالت میں ثبوت پیش کر رہا ہے کہ انسانوں کو زندہ رہنے کا حق نہیں؟ کیسے کیسے تخریبی رجحانات اس میں کام کر رہے ہیں؟ اسلام اپنے ان اصولوں کے ذریعہ جو قرآن مجید میں مذکور ہیں، خواہ وہ اخلاقی ہوں یا تمدنی، خواہ افراد کے باہمی رشتوں سے تعلق رکھتے ہوں یا ان کی خارجی زندگی سے، ان اصولوں کے ذریعے عہدِ جدید کے نہ صرف جائز

تقاضوں کو پورا کر سکتا ہے، بلکہ عصرِ جدید کو اس تباہی سے بھی بچا سکتا ہے، جو تلوار کی طرح اس کے سر پر لٹک رہی ہے۔

اب مسئلہ عصر جدید کا ساتھ دینے اور نہ دینے کا نہیں رہا اب تو عصرِ جدید کے بچانے کا مسئلہ سامنے آیا ہے، اب تو عہدِ جدید کی بات کرنے والوں، عصرِ جدید کے قصیدہ خوانوں، عہد جدید کی دہائی دینے والوں اور عہد جدید کے نام پر ایسے سیمنار بلانے والوں کا ہے، کہ وہ بھی رہیں گے یا نہیں رہیں گے؟ اس نقار خانے میں ان کی آواز بھی سُنی جائے گی جہاں صرف پیٹ اور نفسِ امارہ کی پرستش ہو رہی ہو؟، آج دُنیا میں اور خود ہمارے ملک میں دو ہی حقیقتیں نظر آتی ہیں، ایک دولت، دوسری قوت، کیا ایسے زمانے میں کسی سنجیدہ علمی حقیقت پر غور کیا جا سکے گا؟ اور کیا انسان اس موڈ میں ہوں گے کہ کوئی سنجیدہ بات ان سے کہی جا سکے؟ یہاں تو صرف ایک نعرہ ہو گا کہ بہتی ہوئی گنگا ہے اپنا اپنا ہاتھ دھو لو اور اپنی اپنی جھولی بھر لو، کوئی اخلاقی حدود، کوئی بلند معیار، کوئی انسانی خیر خواہی کی بات اور تہذیب کو بچانے کا مسئلہ قابلِ فہم نہیں رہے گا، لوگ اس موڈ ہی میں نہیں ہوں گے۔

اب تو اسلام کے بجائے عہدِ جدید کو بچانے کا مسئلہ زیادہ اہم ہے، آپ اس عہدِ جدید کی خبر لیجیے جو اتنا بدمست ہو چکا ہے کہ کوئی سنجیدہ بات سُننا نہیں چاہتا، آپ اسلام کی طرف سے اطمینان رکھئے وہ ہر عہد اور تمام جائز تقاضوں کو تسلیم کرتا ہے، اس سے زیادہ انصاف پسند کوئی نظام نہیں، جب بھی کوئی مظلوم آواز یا انسانی فریاد بلند ہوئی تو اسلام نے اس کی طرف توجہ کی، اس نے ہمیشہ عقلِ انسانی کو برسرِ پیکار رہنے کی دعوت دی، علیگڑھ یونیورسٹی اور عربی مدارس کے لیے چھٹی ہے، جمعہ کی چھٹی ہو یا اتوار کی چھٹی، لیکن عقلِ انسانی اور عقلِ ایمانی کو کبھی چھٹی نہیں، اس نے کہا کہ اہلِ علم کے لیے سب سے زیادہ

قربانی کی ضرورت ہے ، اور سخت سے سخت معیارِ زندگی گذارنے کے لیے اپنے کو تیار رکھنا چاہیئے ۔

غلط تشریح سے غلط فہمیاں

بہت سی غلط فہمیاں غلط تشریح سے پیدا ہوتی ہیں ، حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا یہ کتنا حکیمانہ مقولہ ہے ۔ " كلموا الناس على قدر عقولهم أتريدون ان يكذب الله ورسوله " لوگوں کی عقل کے مطابق بات کرو ، دینی حقائق کو اس انداز میں پیش کرو کہ ذہن اس کو قبول کرے ، یہ مسئلہ صرف الفاظ کا نہیں بلکہ اسلوب ، طرز فکر اور طریقۂ بیان کا بھی ہے ، اس کے بعد فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کی تکذیب کی جائے ، خدا اور رسول کی تکذیب اس لیے نہیں کی جا رہی ہے کہ خدا اور رسول کی باتیں زمانے کے حقائق کے خلاف ہیں بلکہ اس لیے کی جا رہی ہے کہ ان کو دل نشین اور قابلِ فہم طریقہ سے استعمال نہیں کیا جاتا ہے ۔

اسلام تغیر پذیر دنیا میں اپنا مقام رکھتا ہے ۔ یہ مقام کوئی ایسا نہیں کہ وہ آپ سے رحم کی درخواست کرے کہ اس کو باقی رہنے دیا جائے ، بلکہ زندگی اسی کی نگرانی و رہنمائی میں صحیح راستے پر چل سکتی ہے ۔

مذہب اور تہذیب

اس موقع پہ ذہن میں تہذیب کا تصور آتا ہے ۔ یہ ایک مغربی تخیل ہے ۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ اسلام ایک گذشتہ تہذیب کا نام ہے ، اسلام پر لکھنے والے مصنفین "LEGACY OF ISLAM" کا عنوان دیتے ہیں ، اسلام ایک تہذیب ضرور رکھتا ہے ، لیکن وہ محض ایک گذشتہ تہذیب کا نام نہیں ہے ، تہذیب کے لیے ہم جانتے ہیں کہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے ، کہ ہزار برس پہلے کی تہذیب یا پانچ سو برس پہلے کی تہذیب کا اس بدلی ہوئی دنیا میں کوئی جواز ہے ، لیکن مذہب صرف اخلاقی قدروں ، محض کسی معاشرت ، رہن سہن کے طریقے ، تہذیب اور فن تعمیر کا نام نہیں ، وہ تو غیبی حقائق ، ایمانی عقائد اور ایمانیات کا مسئلہ ہے ، وہ عبد و معبود کے باہمی رشتے اور زندگی گزارنے کے ابدی آسمانی اصولوں کا نام ہے ۔

اگر اسلام کا یہ دائرہ ہے تو اسلام کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے کہ سانچے بدل جائیں گے تو وہ ان سانچوں میں فٹ ہو سکتا ہے یا نہیں ، مغربی مصنفین خلط مبحث کرتے ہیں ، زندگی چاہے کتنی ہی بدل جائے ان ابدی حقائق و عقائد کے لیے جگہ اور گنجائش ہے ، اور پوری زندگی اس کے سانچے کے نیچے آنی چاہیئے ، اگر نہ آئے گی تو پھر اس زندگی اور سوسائٹی کے اندر ساری وہ خرابیاں پیدا ہوں گی جو ہم آج مغربی تمدن میں دیکھ رہے ہیں ، اور اس کا کوئی حل وہاں کے بڑے سے بڑے مفکروں کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے ۔

الوداع اے شہیدِ حرمتِ ختمِ نبوّت

اے امیرِ جادۂ حق و صداقت الوداع
اے شہیدِ حرمتِ ختمِ نبوّت، الوداع

اے کہ تیری زندگی تفسیرِ جذب و شوق تھی
اے کہ تھا تُو واقفِ مفہومِ جرأت، الوداع

تُو نے ناموسِ رسالتؐ پر فدا کی زندگی
اے فدائے ننگ و ناموسِ رسالتؐ، الوداع

اے خلوص و جذبۂ ایثار کی شمعِ مبین
اے حدیثِ جاں سپاری کی روایت، الوداع

اے کہ تُو علم و عمل کے دَور کی تاریخ تھا
اے کہ تھی تجھ سے زمانے کو ہدایت، الوداع

تیرے قدموں کے لیے زنداں نے بوسے بارہا
دار نے دی بارہا تیری شہادت، الوداع

تھا ضعیفی میں جوانوں کے لیے روشن مثال
تیرے دم سے تھی جوانوں میں حرارت، الوداع

اے کہ تیرے عزم سے لرزاں تھا باطل کا وجود
اے کہ تھی باطل پہ تیرے دم سے دہشت، الوداع

اے کہ تھا سرمایۂ صدق و یقیں تیرا وجود
اے کہ تھا تُو شاہدِ اسرارِ رحمت، الوداع

اے کہ تُو ناموسِ مولا کے لئے لڑتا رہا
اے کہ تھی اعدائے دیں پہ تیری ہیبت، الوداع

تھا دمِ آخر لبوں پر تیرے اے جالندھری
تخت و تاجِ عصمتِ ختمِ نبوّت، الوداع

آسر حیدری پنو عاقل

مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

حافظ عزیز الرحمٰن خورشید

مولانا محمد علی جالندھری رح ان جانبازوں میں سے ایک تھے۔ جنہوں نے اسلام کی سربلندی کے لیے مال اور جان کی قربانی سے کبھی دریغ نہیں کیا آپ اس قافلہ کے فرد تھے۔ جس نے آزادی حاصل کرنے کے لیے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں پہنیں۔ آپ ان راہنماؤں میں سے تھے جنہوں نے سخت نامساعد حالات میں فرنگی کو للکارا اور اس کے اقتدار کو زیر و زبر کرنے کے لیے میدان میں نکلے۔

ان کے بارے میں ان کے ایک رفیق نے کتنی صحیح بات کہی ہے۔

”وہ ان لوگوں میں سے تھے جنہیں ان کی نیکیاں صلحاء امت کی صفوں میں بٹھاتی اور ان کی سیرتوں کو دوسروں کے لیے نمونہ بنا دیتی ہیں۔“

آپ رائے پور ارائیاں (جالندھر) میں ایک مخلص و دیندار زمیندار کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مرحوم حاجی محمد ابراہیم صاحب مسلک اہلحدیث سے تعلق رکھتے تھے اور متقی انسان تھے ان کی خواہش تھی کہ بچے کو دینی علوم پڑھاؤں۔ چنانچہ رائے پور گجراں (جالندھر) کے جامعہ رشیدیہ (حال ساہیوال) میں آپ کو داخل کرایا گیا۔ اس مدرسہ میں آپ نے مولانا خیر محمد اور حضرت مفتی فقیر اللہ رحمہما اللہ جیسے نابغہ عصر اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ اللہ نے آپ کو بہترین صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ نتیجۃً آپ اساتذہ کی شفقتوں کا مرکز بن گئے۔

بعد ازاں آپ کو مدرسہ عربیہ میکلوڈ گنج بہاول نگر میں داخل کرایا گیا۔ اور آخر میں آپ عالم اسلام کی عظیم دینی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ یہاں اس وقت دوسرے اساتذہ کے علاوہ حضرت العلامہ سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ بھی موجود تھے۔ دارالعلوم ایک علمی مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ تربیت دینی کا بھی خاص مرکز تھا۔

مرحوم خود فرماتے تھے کہ انگریز کے خلاف نفرت میرے ذہن میں قیام دارالعلوم کے زمانہ میں پیدا ہوئی اور فراغت کے بعد یہ حال تھا کہ آپ ہر اس شخص سے نفرت کرتے جو انگریز کا کسی بھی درجہ میں خیر خواہ ہوتا۔ آپ نے خود ارشاد فرمایا کہ دارالعلوم سے فراغت کے بعد تمام طلبہ کو شاہ صاحب نے علیحدہ علیحدہ بلا کر نصیحت کی مجھے فرمایا کہ

”پنجاب میں مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کر کے مسلمانوں کو مرتد بنانے کی مہم شروع کر رکھی ہے۔ اس کے خلاف جہاد زندگی کا مشن بنا لو۔“

شاہ صاحب کی نگاہ دوررس نے کتنا بہتر انتخاب کیا۔ اور پھر محمد علی نے جس طرح استاد کی نصیحت پر عمل کیا اس کا جواب محمد علی کی سیرت سے ملے گا۔

استاد کی نصیحت پر عمل

مولانا محمد علی نے استاد مرحوم کی نصیحت کے مطابق عمر بھر فرنگی کے خود کاشتہ پودے کے خلاف بھرپور جہاد کیا۔ اگرچہ اس راستہ میں بیگانوں اور اپنوں کی طرف سے راستہ میں کتنی ہی [illegible]یں کھڑی کی گئیں لیکن آپ نے اس کام کو ”مشن“ کی حیثیت دے دی۔ اور بالآخر آپ راہی ملک بقا ہو گئے اور جاتے جاتے

اس امانت کو ساتھیوں کے سپرد کر گئے۔ اب ساتھیوں کا امتحان ہے کہ وہ اس امانت کا کس حد تک تحفظ کرتے ہیں۔ مگر مجھے تو یقین ہے کہ جب تک یہ عالم رنگ و بُو قائم ہے امیر شریعتؒ، قاضی احسان احمدؒ اور مولانا محمد علی کے خونِ جگر سے سینچا جانے والا یہ پودا سرسبز رہے گا اور بادِ صرصر کا کوئی تھپیڑا اس کو مرجھا نہ سکے گا۔ حفظہا اللہ تعالیٰ۔

مرحوم کے بعد مولانا لعل حسین اختر اور شیخ بنوری نے اس پودے کی آبیاری کی اور اب تو بفضلہ مرزائیوں کے مرکز "ربوہ" میں بھی حق کی صدا گونج رہی ہے۔ اور آئینی طور پر قادیانی غیرمسلم اقلیت قرار دی جا چکی ہے۔ مجلس کے سربراہ آج کل حضرت مولانا خان محمد صاحب سجادہ نشین کندیاں ہیں۔

دیوبند سے واپس آکر آپ نے ریاست کپورتھلہ کے معروف شہر سلطانپور لودھی میں درس و تدریس کی خدمات انجام دیں۔ تین سال بعد اپنی تمام تر خدمات اپنے استاد مولانا خیر محمد کے سپرد کر دیں۔ استاد شاگرد نے مدرسہ خیرالمدارس کی بنیاد رکھی۔ اس مدرسہ کے لیے مولانا خیر محمد دل کی حیثیت رکھتے تھے تو مولانا محمد علی دماغ کی۔ اس مدرسہ کے عروج و ترقی میں آپ کا بڑا دخل ہے۔ تقسیم ملک کے بعد جب مرحوم مولانا خیر محمد جالندھر سے لاہور آگئے تو آپ انہیں ملتان لائے۔ اس لیے کہ آپ سنہ ۴۲ء سے جماعت کے حکم پر ملتان میں قیام پذیر تھے اور یہاں حسین آگاہی کی خطابت کے ساتھ ساتھ مدرسہ محمدیہ کو چلا رہے تھے مولانا خیر محمد کے لیے جگہ کا انتظام کیا۔ مدرسہ محمدیہ کے طلبہ اور احرار رضاکاروں کی وساطت سے سارے انتظام مکمل کر کے مدرسہ کو ختم کیا۔ کتب خانہ فنڈز اور طلبہ تک مولانا خیر محمد کے سپرد کر دئیے انہی طلبہ میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے موجودہ ناظم تبلیغ مولانا عبدالرحیم اشعر بھی تھے۔

مدرسہ خیرالمدارس کے علاوہ آپ کو ملک بھر کے دینی مدارس کی ترقی سے گہرا لگاؤ تھا۔ منتظم حضرات کو مناسب مشورے دینا، ان کے دکھ سکھ میں شریک ہونا آپ کا اصول تھا۔ ایوب حکومت نے جب مدارس کے سلسلے میں انتہائی قدم اٹھانے کا تہیہ کیا تو آپ نے سب حضرات کو جمع کر کے وفاق المدارس العربیہ کے نام سے مدارس اسلامیہ کی تنظیم قائم کرائی تاکہ مل جل کر دفاع کیا جا سکے۔ اس تنظیم کے ناظم اعلیٰ شروع سے اب تک مفتی محمود زیدہ مجدھم ہیں۔

سیاسی زندگی کی ابتداء

آپ کی سیاسی زندگی کا آغاز سنہ ۳۶ء سے ہوا۔ اس کے بعد آخر تک سیاسی قومی اور ملی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جب آپ نے خارزار سیاست میں قدم رکھا تو یہ وقت بڑا نازک تھا لیکن آپ نے نتائج سے بے نیاز ہو کر مردِ قلندر و مجاہد ہونے کا ثبوت مہیا کیا۔ شاید شاعر نے آپ ہی جیسے لوگوں کے لیے کہا ہے ؎

جلادو، پھونک دو، سولی چڑھادو، خوب سُن لو
صداقت چھٹ نہیں سکتی ہے جبتک جان باقی ہے

بے پناہ خلوص اور فہم و تدبر کے نتیجہ میں آپ نے بہت جلد احرار کے صفِ اوّل کے راہنماؤں کا اعتماد حاصل کر لیا۔ زندگی میں باضابطہ طور پر آپ نے صرف دو جماعتوں میں کام کیا۔ مجلس احرار اسلام اور مجلس تحفظ ختم نبوت، باقی اور دینی جماعتوں سے ہمیشہ ہی دلچسپی رہی اور ان کا ہاتھ بٹاتے رہے۔

آپ کو مجلس احرار اسلام جالندھر، ملتان اور پنجاب کا صدر ہونے کے ساتھ ساتھ آل انڈیا احرار ورکنگ کمیٹی کا ممبر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر و ناظم اعلیٰ کے انتہائی ذمہ دارانہ عہدوں پر آپ فائز رہے۔

جونہی آپ احرار میں شامل ہوئے تو مجلس نے فوجی بھرتی کے بائیکاٹ کا پروگرام بنایا۔ اس سلسلہ میں ملک بھر میں اجتماعات ہوئے۔ اس موقعہ پر جن احرار راہنماؤں نے انتہائی بے جگری کا مظاہرہ کیا ان میں آپ بھی تھے۔ اس سلسلہ میں آپ گرفتار ہو گئے۔ مجسٹریٹ نے عدالت میں سوال کیا مولانا! آپ کے رشتہ دار کون کون ہیں اور کہاں کہاں قیام پذیر ہیں؟ تو فرمایا۔ میرا ہر وہ شخص رشتہ دار ہے جو فرنگی کا دشمن ہے خواہ کہیں بھی مقیم ہو۔ اس جرم حق گوئی کی پاداش میں سزائے سہ سالہ کا حکم ہوا۔ یہ ایام اسیری گجرات جالندھر اور امرتسر جیل میں بسر ہوئے یہ آپ کی پہلی جیل تھی۔ اس جیل

کے دوران وہ سگے بھائی کے بعد دیگرے دنیا سے رخصت ہوگئے لیکن محمد علیؒ کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

علماء کنونشن

تقسیم ملک کے بعد ۱۹۵۲ء میں حکومتی حلقوں کے چیلنج کا جواب دینے کی غرض سے کراچی میں مسلم فرقوں کے ۳۱ نمائندہ علماء کا کنونشن ہوا۔ جس میں مشہور عالم ۲۲ نکات مرتب ہوئے جو ایک صحیح اسلامی آئین کی بنیاد ہیں۔ اس اجتماع میں اپنی جماعت کی نمائندگی مرحوم نے کی۔ اور اس اجتماع کو کامیاب بنانے میں مؤثر کردار ادا کیا۔ تقسیم ملک کے بعد امیر شریعت قدس سرہٗ نے مکمل سیاسیات سے علیحدگی کا فیصلہ کیا تو ساتھیوں کا اجتماع اپنے مکان پر بلایا۔ اور انہیں اپنے فیصلہ سے آگاہ کیا۔ لیکن آپ نے اجازت دی کہ اگر ساتھی سیاسی کام کرنا چاہیں تو شوق سے کریں۔ میں اشاعت و تبلیغ اسلام کے ساتھ ساتھ فتنۂ ارتداد کی سرکوبی کروں گا۔ شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین اور نواب زادہ نصر اللہ نے سیاسی کام کا فیصلہ کیا۔ شاہ جی نے مولانا لعل حسین اختر کو اپنے ساتھ رکھا شیخ حسام الدین مرحوم نے بہتیری کوشش کی کہ مولانا محمد علی انہیں مل جائیں لیکن امیر شریعت کا ایک ہی جواب تھا۔

"بھائی محمد علی آپ کو دے کر اپنے پاس کیا رکھوں گا۔"

چنانچہ اس موقع پر مجلس تحفظ ختم نبوت کی بنیاد رکھی گئی۔ جس کے شاہ جی امیر اور مولانا محمد علی ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔

ابتداء میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے لیے تیس روپیہ ماہوار پر ایک مکان کرایہ پر لیا گیا اور مولانا محمد حیات فاتح قادیاں کی خدمات حاصل کی گئیں۔

غیر ممالک میں تبلیغ کا کام

مرحوم حضرات کی دوسری خواہش یہ تھی کہ بیرون پاکستان بالخصوص یورپ میں جماعتی کام ہو تاکہ مرزائیت سمیت تمام باطل تحریکوں کے مقابلے میں دینی کام ہو سکے۔ اس مقصد کے لیے مولانا لعل حسین اختر کو، امیر ثالث مرحوم نے اپنی زندگی میں یورپ بھیجا تین سال کے قریب آپ نے بیس سے زائد ممالک کا دورہ کیا۔ جن میں برطانیہ امریکہ، مغربی جرمنی اور جزائر فجی بھی بھی شامل ہیں۔ اس دورہ کی تفصیلی رپورٹ (عزیزم) محمد سعید الرحمٰن علوی مدیر خدام الدین کے قلم سے مرتب ہو کر مجلس تحفظ ختم نبوت کے آرگن "لولاک" میں چھپ چکی ہے۔

مختصر یہ کہ اس دورہ سے ایوانہائے باطل میں کھلبلی مچ گئی۔ عیسائیوں اور مرزائیوں سے مناظرے ہوئے۔ جن میں انہیں شکست فاش ہوئی مولانا لعل حسین اختر کے اس دورہ کے سبب لاکھوں لوگوں کے ایمان محفوظ ہوگئے۔ لاتعداد کافر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ کئی مقامات پر مدارس قائم ہوئے۔ مسلمانوں کی کئی مساجد جن پر اغیار قابض تھے واگزار ہوئیں۔ اور بڈاسفیلڈ میں ساٹھ ہزار روپیہ سے ایک عمارت خریدی۔ جس کو یورپ کا مرکزی دفتر بنایا۔ اس میں دینی لائبریری دینی مدرسہ وغیرہ بھی قائم کئے۔ اس سہ سالہ دورہ پر قریباً ۲۷ ہزار روپے خرچ ہوئے۔ یہ سب صدقہ ہے امیر ثالث مولانا محمد علی کے خلوص و تدبر کا۔

دعائے مغفرت

حضرت لاہوری قدس سرہٗ کے خصوصی خادم جناب حاجی خوشی محمد صاحب آف گوجرانوالہ جن کے یہاں ۱۵ جامن روڈ واہ کینٹ میں مدتوں درس قرآن کا سلسلہ جاری رہا، کا جوان سال بھانجہ پچھلے دنوں کارخانہ میں کام کرتے کرتے ایک بھاری بھٹی تلے دب کر انتقال کر گیا۔

مرحوم محنتی، ملنسار اور خلیق نوجوان تھا۔ ہنگامی اور اتفاقی موت اللہ تعالیٰ اس کے حق میں شہادت کا باعث بنائے اور لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

ادارہ خدام الدین حاجی صاحب اور دوسرے تمام لواحقین کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ (ادارہ)

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر اور کھاتہ نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

کاروانِ اسلام

آخری قسط

حیاتِ ملّی کا سفر

ایک رُوداد ● ایک تاثّر

اور یہ گویا سمجھایا جا رہا تھا کہ جمہوریہ متحدہ عربیہ کے پیشِ نظر اسلامی اخوت کا مضبوط رشتہ ہے۔

اسی مؤتمر میں اخبارات میں شائع ہونے سے قبل سب وفود کو یہ خبر سنائی گئی کہ ہمارا دستور تیار ہو گیا اور اس میں یہ بات طے ہو گئی کہ حکومت جمہوریہ عربیہ متحدہ کا مذہب اسلام ہو گا اور سرکاری زبان عربی ہو گی، اسی مؤتمر میں پہلے صدرِ مؤتمر ڈاکٹر عبداللہ ماضی نے شاندار الفاظ میں یہ اعلان کیا کہ حکومت نے "مصحف مرتل" کے لیے ایک خاص اسٹیشن کھولا ہے، جس کے میٹر کا نمبر یہ ہو گا۔ اس پر صرف قرآن کریم روزانہ چودہ گھنٹے نشر کیا جائے گا۔ صبح ۶ سے ۱۰ تک اور ایک سے ۱۱ تک (مصری ٹائم سے) ہمارے یہاں دس سے ایک تک اور چار سے ۲ بجے رات تک، اور جمال عبدالناصر نے وفود سے جب ملاقات کی تو سب سے مصافحہ اور مزاج پُرسی کے بعد کہا:

"حضرات! میری خوش قسمتی ہے کہ میں آج آپ حضرات کی زیارت کر رہا ہوں۔ ہم سب اسلامی اخوت کے رشتہ میں منسلک تھے استعماری طاقت نے اپنے سیاسی اغراض کے لیے جدا کر دیا، اور استعماری سیاست نے دنیا کو تباہ کر دیا (اور یہ جملہ دو مرتبہ دہرایا اور اس پر زور دیا) میں اس وقت مشغول ہوں، رخصت چاہتا ہوں،

خدا حافظ"۔

عربی تقریر کا پہلا جملہ یہ تھا "ایھا السادۃ انی السعیدٌ برؤیتکم" اور آخری جملہ تھا "سیروا علی برکۃ اللّٰہ" اور اسی وجہ سے حدود فلسطین میں صلح کی حد بندی پر جہاں یو۔ این۔ او کا حفاظتی دستہ بھی موجود ہے سب وفود کو چار سو کیلو میٹر صحرائے سینا طے کرا کرلے گئے اور یہ تجویز پاس کرائی کہ فلسطین کا قضیہ تمام عالمِ اسلامی کا مشترکہ قضیہ ہے۔ یہ تنہا عربی ممالک کا قضیہ نہیں، اس لیے ہم تمام نمائندگان ممالکِ اسلامیہ اور مسلمانانِ عالم متفقہ احتجاج کرتے ہیں کہ فلسطین میں مہاجرین کو جلد از جلد آباد کیا جائے اور سب مندوبین سے اس قرار داد کی تائید کے لیے کہا گیا۔ دوسرا نمبر راقم الحروف کا آیا، حسب ذیل عربی الفاظ میں قرارداد کی تائید کی:-

"ایھا السادۃ: وفود البلاد الاسلامیۃ وعلماء المسلمین: لا شکَ فی أن المؤمنین اخوۃ علی تواصی بلادھم واُ قطادھم وھم کما قال سیدنا الرسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم المومنون فی تراحمھم و توادد ھم وتعاطفھم کجسد واحدٍ إذا اشتکی عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمیٰ ولا ریب ان قضیۃ فلسطین قضیۃ اسلامیۃ عالمیۃ لیست قضیۃ عربیۃ فقط فمن واجبنا ان تقوم للدفاع عنھا متکافلیتین فی سبیلھا وحل مشاکلھا وأیھا السادۃ أن قضیۃ فلسطین وقضیۃ کشمیر متماثلتان متجانستان - فأربعۃ ملایین من المسلمین تأنّ تحت سیطرۃ حکومۃ

غاشمة ظالمة مستبدة تحكم عليهم بكل قسوة و جفوة ليست فيها أية رحمة و عاطفة فالرجاء أن تجد لها كذلك"

(ترجمہ)

حضرات! ممالکِ اسلامیہ کے نمائندو! بلاشبہ مسلمان کہیں کے بھی باشندہ ہوں ان میں اسلامی اخوت کا رشتہ موجود ہے اور حضرت رسالت پناہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ساری دنیا کے مسلمان اپنی ہمدردی و تعلق و محبت میں ان کی مثال ایک بدن کی ہے، بدن کے کسی حصہ میں اگر کوئی شکایت ہے تو سارا بدن بخار و بے خوابی میں مبتلا رہتا ہے۔ بلاشبہ فلسطین کا قضیہ تمام عالمِ اسلامی کا مسئلہ ہے، تنہا عربی ممالک کا نہیں اس لیے ضروری ہے کہ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے ہم سب متحد ہو کر سوچیں۔

حضرات! جس طرح فلسطین کا مسئلہ تمام عالمِ اسلامی کا مسئلہ ہے، ٹھیک اسی طرح کشمیر کا قضیہ بھی تمام عالمِ اسلامی کا مسئلہ ہے۔ چالیس لاکھ مسلمان کشمیر میں ایک ظالم بے رحم حکومت کے پنجۂ استبداد کے نیچے کراہ رہے ہیں، تو ہمیں اس کے لیے بھی متحد ہونے کی ضرورت ہے۔

الغرض یہ محسوس ہوا کہ اب عرب دنیا بھی اپنے مسائل و مشکلات کے حل کرنے میں عالمِ اسلامی کے تعاون سے بے نیاز نہیں ہو سکتی، اور خدا کا شکر ہے کہ ان کو بھی اس کا احساس ہو چلا ہے۔

گذشتہ سطروں میں ناظرین کے سامنے تصویر کا ایک رخ آ گیا ہو گا۔ اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ ہمارے اربابِ اقتدار بھی صحیح مقاصد کے پیشِ نظر عالمِ اسلامی کو متاثر کرنے کے لیے گاہے گاہے ایسا اقدام کیا کریں، اور جو عربی دنیا، پاکستان یا باقی اسلامی دنیا سے تقریباً کٹی ہوئی نظر آتی ہے اس کو جوڑنے کی ان تھک کوشش کرنی چاہیے۔ صحیح حالات پیش کرنے سے میرا مقصد یہی ہے کہ جو مفید اور کام کی بات ہو اس سے فائدہ اٹھایا جائے کیونکہ صحیح مقاصد کے حصول کے لیے تنافس اور تسابق توعین اسلام ہے۔ الحمد للہ جو کچھ خامہ فرسائی کی گئی ہے وہ اشخاص کی تعریفوں سے اور ذاتی اغراض سے بالاتر سطح پر رہ کر کی گئی ہے جب مقصد عبرت و سبق حاصل کرنا ہو تو کسی قوم یا فرد یا ملک کے محاسن کے ذکر سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے نہ کہ برائیوں کے اظہار سے، لیکن واقعاتی سطح پر "خوگرِ مدح" کو تھوڑا سا "گلہ" بھی احتیاط و اعتدال کے ساتھ کرنا پڑے تو چنداں مضائقہ نہ ہو گا۔ بلکہ تاریخ کا حق اسی طرح ادا ہو سکے گا اور ایک مؤرخ کا قلم اپنے منصبی فرض سے صحیح معنیٰ میں سبکدوش ہو سکے گا۔ لہٰذا مؤتمر اور جدید ازہر اور جمال ناصر کے متعلق چند تاثرات جو دوسرے رخ کی ترجمانی کریں گے اس لیے پیش کیے جاتے ہیں کہ ہم ان سے بچنے کی تدبیر سوچیں اور وہ حضرات اس کی اصلاح کی تدابیر پر غور کریں۔

علمائے ازہر کے بارے میں رائے

ہندوستان و پاکستان کے اکابر علماء میں جو خصوصیت ہے، وہ خصوصیت، محسوس ہوا کہ عربی ممالک کے اہلِ علم سے مدت ہوئی کہ رخصت ہو چکی ہے دینی تصلب و پختگی، شعائرِ اسلام کی بقا کی کوشش، بلا خوفِ لومۃ لائم حق کے اظہار میں جرأت اور قوتِ ایمانی کا ثبوت، کسی غیر صحیح مقصد کے لیے حکومتِ وقت کا آلۂ کار نہ بننا اور اس مسلک میں جو عواقب و نتائج پیش آئیں خندہ پیشانی سے لبیک کہنا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ جوہر عربی ممالک میں ختم ہو چکا ہے۔ تاریخی روشنی میں مجھے نظر آتا ہے کہ چند افراد کو مستثنیٰ کرنے کے بعد دسویں گیارہویں صدی ہجری سے وہ صفات جو عرب ممالک کے خصائص تھے غیر منقسم ہندوستان کی طرف منتقل ہو گئے۔ امامِ ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبد العزیز دہلوی، حضرت سید احمد بریلوی، حضرت اسماعیل شہید، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہم اللہ جمیعا کی نظیر اپنے اپنے دور میں مشکل ہی سے کہیں اور ملے گی۔

جو حضرات ازہر کے نمائندہ علماء تھے، اور جو سوڈان، لبنان، عمان، قدس، غزہ، تونس وغیرہ سے آئے تھے۔ ان حضرات میں وہ بات محسوس نہ ہو سکی جس کی ان سے توقع تھی۔ البتہ موریتانیا اور مراکش و فارس کے علماء کو زیادہ پختہ پایا۔ یہ حضرات جدید رَو میں بہنے کے لیے تیار نہ تھے۔ میرا احساس یہ ہے کہ حکومتِ مصر کے پیشِ نظر جو کام ہیں، علماء ازہر چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح ان مقاصد کا فقۂ اسلامی کی روشنی میں حل نکالنا ضروری ہے اور اس کی دو وجوہ نظر آتی ہیں:

۱- ان کو یہ خطرہ لاحق ہے کہ اگر ان مسائل کو اس طرح حل نہ کیا گیا اور حکومت کے منشاء کی تکمیل نہ ہو سکی تو اس کے خطرناک عواقب برداشت نہ کر سکیں گے۔

۲- یا یہ خیال ہے کہ عصرِ حاضر میں اتنا جمود بے معنی ہے اور توسیع و آزادی ضروری ہے، اگر اساسی اصول قرآن و سنت کو مان لیے جائیں تو پھر رخصت و تیسیر پر عمل کرنا یا کسی ضعیف قول کو اختیار کرنا عین مصلحت و ثواب ہے بلکہ اس وقت یہی صواب ہے۔

بہر حال وجہ جو کچھ بھی ہو ایک قسم کی مداہنت عام علماء میں زیادہ محسوس ہوئی۔ کلمۃُ حَقٍّ عِندَ سُلطانٍ جائرٍ (ظالم حکمران کے سامنے کلمۂ حق) کی جرأت ان میں نہیں ہے، بہت ممکن ہے کہ جو استبدادی پنجہ ان کے سامنے ہے اس کے خوف سے یہ صورت پیدا ہو چکی ہو، اس لیے مؤتمر کے ان مقالات میں جو مستقل اعضاء و ارکان نے تحریر کیے تھے ان میں یہ طبعی ضعف نمایاں تھا، ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس میں کوئی مقصد پنہاں ہے جس کی تکمیل کی کوشش کی جا رہی ہے او وہ بھی نہایت عالمانہ بلکہ محققانہ انداز سے جس کی گرفت بھی آسان نہ ہو البتہ چونکہ سب مقالات پختہ اہلِ علم کے قلم سے تھے اس لیے ایسے نہ تھے جیسے پرویزی قسم کے سوتیانہ یا ادارۂ ثقافت کے دین فروشانہ، یا اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے عام مقالات ہوتے ہیں، جن میں ضروریاتِ دین یعنی دین کے قطعی حقائق کو مجروح کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کہنا صرف یہ ہے کہ مؤتمر کے علماء کے مقالات میں ہمارے ملک کے مسلمہ اکابر کی تحقیقات کی جو نوعیت ہوتی تھی وہ روح جلوہ گر نظر نہیں آتی۔

جدید ازہر کے خدوخال

مؤتمر کے دوران میں مندوبین کے سامنے جو علمی و دینی کارنامے آئے ان میں سب سے زیادہ اہم الازہر یونیورسٹی کا تجدیدی نظام یا الازہر کی نشاۃ ثانیہ ہے جسکی عظیم الشان عمارات کی بنیاد قاہرہ ومصر کے جدید شہر "مدینۃ النصر" میں رکھی گئی ہے۔

مدینۃ النصر کے جس علاقہ میں اس یونیورسٹی کے لیے کئی مربع میل کا احاطہ تھا، اس میں جس جگہ بنیاد رکھی جانے والی تھی، ایک عظیم الشان حسین و جمیل پنڈال بنایا گیا تھا جس میں اسکندریہ سے قاہرہ تک الازہر کی مختلف شاخوں سے آ کر بیٹھنے والے طلباء و علماء ہی بیس ہزار تھے۔ اسٹیج پر صرف مندوبین اور المؤتمر کے وفود اور جمال عبدالناصر اور ان کے نائبین کے لیے کرسیاں تھیں جن پر نام لکھے تھے۔ میں نے اپنی زندگی میں اتنا خوبصورت اور عظیم الشان پنڈال نہایت خوبصورت قیمتی قالینوں سے فرش شدہ کبھی نہیں دیکھا تھا، یہ جس خوبصورتی سے سجایا گیا تھا، قابلِ دید تھا۔ اتفاق سے جمال عبدالناصر اس روز ملک حسین والئ اردن کے دواعی امور میں مشغول تھے اس لیے نہ آ سکے اور حسین محمود شافعی نے ان کی نیابت کی۔

خلیل مصری کی قرأت سے احتفال کی کارروائی شروع ہوئی۔ پھر تقریریں ہوئیں اور اس کے بعد سنگِ بنیاد رکھا گیا جس میں وفود کی طرف سے شیخ ابراہیم نیاس نے وکالت کی، اس موقع پر ایک بڑا تمغہ سب مندوبین کو دیا گیا جس

پر کوئی خط میں "تذکار وضع حجر الاساس الأزهر الجدید" کی عبارت کندہ تھی۔ یہ تمغہ ایک مخملی ڈبے میں رکھا ہوا تھا۔

اس مؤتمر کے مصارف کے لیے ابتدائی طور پر حکومت نے دس ملین پونڈ یعنی دس کروڑ روپیہ کی منظوری دے دی تھی۔ جدید یونیورسٹی میں، جو جو کالج اور شعبے قاہرہ و اسکندریہ یونیورسٹی میں ہیں، وہ سب کے سب مزید ترقی یافتہ صورت میں موجود ہوں گے۔ اور یورپ کی چند زبانوں میں سے فرانسیسی، انگریزی، جرمنی، ایطالوی کوئی نہ کوئی زبان سیکھنا ازہری عالم کے لیے ضروری ہوگا جہاں تک علومِ دینیہ کی مہارت کے ساتھ یورپ کی کسی زبان کے سیکھنے کا تعلق ہے، اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ آج کل تبلیغ و تالیف و تحقیق کے لیے ان زبانوں میں سے کسی ایک کا حاصل کرنا بہت ضروری ہو گیا ہے۔ اگر متقی علمائے دین اس طرف توجہ کریں تو اسلام کی تبلیغ و تحقیق کا نقشہ ہی بدل جائے۔ لیکن جہاں تک علوم دینیہ میں مہارت کا تعلق ہے یعنی تفسیر و حدیث، فقہ و اصولِ فقہ، فلسفہ و کلام میں اعلیٰ ترین قابلیت کا تعلق ہے، اس جدید نظام میں یہ پہلو بہت کمزور ہے۔

الازہر کی جو خصوصیت چلی آ رہی تھی کہ علومِ اسلامیہ و دینیہ کے ماہرین یہاں پیدا کیے جائیں، وہ خصوصیت اب ختم ہو جائے گی۔ یوں تو تقریباً ایک سو سال سے یہ ضعف دن بہ دن بڑھتا ہی جا رہا تھا، لیکن ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اب اس امتیاز کا خاتمہ ہی ہو جائیگا آخر ان جدید علوم کے لیے کیا ضرورت تھی کہ الازہر بھی اس خدمت کو انجام دیتا۔ مصر میں یونیورسٹیاں اور وزارتِ معارف و تعلیمات کے ادارے اس خدمت کو انجام دے رہے تھے۔ قرآن و سنت کے محققین و ماہرین پیدا کرنے کی جو ضرورت ہے وہ اس صورت سے پوری نہ ہو سکے گی، بلکہ اگر یہ ہوتا کہ علوم دینیہ میں تو انتہائی مہارت پیشِ نظر رہتی اور علوم جدیدہ میں کسی قدر واقفیت اور یورپ کی کوئی زبان ضروری قرار دی جاتی تو بہتر ہوتا۔ لیکن جو صورت اختیار کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ علومِ دینیہ سے تو بقدرِ ضرورت واقفیت رہے اور جدید علوم میں مہارتِ خصوصی حاصل ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ صورتِ حال امید افزا نہیں ہے۔ اسکی وجہ سے الازہر کو جو تاریخی خصوصیت حاصل تھی، وہ بالآخر ختم ہو جائے گی۔

میرے خیال میں اگر کوئی قوی العزم باوقار محقق، عالم اور دینی مفکر حسنِ تدبیر کے ساتھ صحیح طریقہ پر جمال عبدالناصر کو سمجھانے کی کوشش کرتا تو شاید یہ سعی مثمر ہوتی۔ لیکن محسوس ہوا کہ اس وقت تو کوئی شیخ الازہر ہی نہیں۔ شیخ محمود شلتوت مرحوم کے بعد اب تک اس جلیل القدر عہدے کے لیے کسی کا انتخاب نہیں ہوا ہے۔ سنتا ہے کہ الشیخ عبدالرحمٰن تاج اس جلیل القدر منصب کے لیے موزوں شخصیت ہیں۔ افسوس ہے کہ ان سے ملاقات نہ ہو سکی اور ان اجتماعات و احتفالات میں ان کا یکسر شرکت نہ کرنا یا تو ان کے معتوب ہونے کی وجہ سے تھا یا پھر ان کے اس تجدید سے غیر مطمئن ہونے کی دلیل ہے۔

بہر حال علمائے ازہر جو حکومت کے نظام سے وابستہ ہیں اگر تدبر و حکمت کے ساتھ قدم اٹھائیں تو شاید بہت کچھ اصلاح ہو سکے گی۔

جمال عبدالناصر

جمال عبدالناصر اور اس کے کارنامے یا عمل نامے، یہ میرا موضوعِ سخن نہیں، اس لیے اس روئداد میں اس کا تذکرہ بے محل ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ بعض حضرات گذشتہ صفحات میں جو کچھ لکھا گیا ہے اور مؤتمر کا جس انداز سے جائزہ لیا گیا ہے اس سے کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں، اس لیے چند سطریں واضحاً پیشِ خدمت ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ جمال عبدالناصر ایک فوق العادۃ شخصیت کے مالک ہیں، عزم و ارادے کا اتنا مضبوط آہنی انسان ہے کہ شاید ہی مسلمانوں میں ازمنۂ متاخرہ میں

اس قوت و ارادے کی کوئی شخصیت اس درجہ کی گذری ہو۔

جمال ناصر استعماریت اور یورپ خصوصاً برطانیہ کے شدید ترین مخالف ہیں۔ ان کی شاید ہی کوئی تقریر استعماریت پر حملہ سے خالی ہوتی ہو، وہ ان تھک کام کرنے کے عادی ہیں، بہترین خطیب ہیں، عیاشی سے انکی زندگی خالی ہے، اخلاقی کمزوریوں پر ان کے دشمن بھی ان کو متہم نہیں کر سکتے۔ وہ روزانہ اٹھارہ گھنٹے کام کرنے کے عادی ہیں، ان کا دماغ ہمیشہ کوئی نہ کوئی اسکیم سوچتا ہی رہتا ہے، ناصر کی زندگی سادہ ہے، صدر مملکت ہونے سے پہلے جب کرنل تھے تو جس مکان میں رہتے تھے اب بھی اسی میں رہتے ہیں۔ ان کی اہلیہ گاؤں میں رہتی ہیں اور مہینے میں دو بار خود ناصر اپنے گاؤں جاتے ہیں، ان کے بچے سائیکل پر اسکول جاتے ہیں، جتنا پروپیگنڈہ ان کے خلاف ہوتا رہا ہے، مصر کی موجودہ ملکی ترقیات نے سب کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ وہ نہ خروشیف کے حلیف ہیں نہ امریکہ و برطانیہ کے، البتہ اپنے ملک میں اشتراکیت کو لا کر اشتمالیت سے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں اور موجودہ کمیونزم کا جواب سوشلزم سے دینا چاہتے ہیں۔ اس سوشلزم کے اختیار کرنے کی وجہ سے روس کا قدیم اعتماد حاصل ہو چکا ہے۔ روس کو دراصل یہ طمع ہو گئی ہے کہ شاید آئندہ کسی وقت یہ ملک کمیونسٹ بن جائے، لیکن ناصر ایک سخت دل انسان ہے، اپنے مخالف کو ختم کرنے میں کوئی رحم نہیں کرتا، جب انتقام پر اتر آتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کے دل میں رحم کا شائبہ بھی نہیں۔

جمال ناصر اپنی رائے میں بہت مستبد ہیں۔ بہت کم کسی کے مشورے پر عمل کرتے ہیں۔ گو ان کی رائے ہمیشہ صحیح بھی نہیں ہوتی۔

ان کی تربیت دینی نہیں ہوئی ہے، نہ مزاج ہی دینی پایا ہے، اس لیے جس طرح دنیوی مسائل کے سمجھنے کی ان میں اہلیت ہے دین کو سمجھنے کی نہیں ہے، اسی لیے جس انداز سے دنیا کی طاقت و شوکت کے طریقوں کو سوچ کر وہ آگے بڑھ رہے ہیں، دین کی حیثیت وہاں صفر نظر آتی ہے۔

کاش ناصر کا مزاج دینی ہوتا تو، آج مصر کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ وہ اپنی رائے میں بسا اوقات اتنی جلد بازی کر جاتے ہیں کہ نقصان تک اٹھانا پڑتا ہے۔ وہ ابتداءً عرب ممالک کے اتحاد میں کوشاں تھے اور عرب قیادت کے خواب دیکھ رہے تھے۔ لیکن اس مقصد میں ناکام ہو کر اب وہ افریقہ کے جدید آزاد شدہ ممالک میں رسوخ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اسلامی ممالک سے تعلقات درست کرنے کی خواہش رکھتے ہیں، چنانچہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی "مجمع البحوث" کی پہلی مؤتمر کو سمجھنا چاہیئے۔

نہر سویز کی آزادی، اسوان بند، اسکندریہ کی بندرگاہ، مدیریۃ التحریر، مدینۃ النصر، مدینۃ العمال اور الازہر کی جدید نشأت، دارالقرآن کی عظیم الشان عمارت کی تأسیس، المصحف المرتل کے ریکارڈ سارے اسلامی دنیا میں بھیجنا، اور خود قاہرہ میں مخصوص ریڈیو اسٹیشن سے چوداہ گھنٹے قرآن کریم (المصحف المرتل) نشر کرنا، افریقہ کے ممالک میں ہزاروں مبلغ و معلم بھیجنا، جمال کی زندگی کے روشن کارنامے ہیں۔

اب دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مسلمان ممالک کے سربراہوں کو اسلام کی شوکتِ باز رفتہ دوبارہ واپس لانے کے لیے متحد کرے، اور مسلمان مملکتوں کے مادی وسائل سے مستفید ہو کر دینِ اسلام کی نشأتِ ثانیہ کا ذریعہ بنائے اور اغیار کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھے۔ وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ وصحبہ اجمعین ۵

مضمون نگار حضرات سے گذارش ہے کہ

مضامین کاغذ کے ایک طرف اور خوشخط لکھا کریں۔

تعارف و تبصرہ

احسن الفتاوی

جلد اول، صفحات ۵۶۷، بڑا سائز، کاغذ سفید، کتابت و طباعت نکھری ہوئی، جلد محفوظ مع پلاسٹک کور سنہری ڈائی دار۔
قیمت ۰۰/۴۸ روپے۔
ملنے کا پتہ: ایچ۔ ایم سعید کمپنی، ادب منزل، پاکستان چوک کراچی۔

اسلامی معاشرہ میں فنِ افتا کو ہمیشہ بڑی اہمیت حاصل رہی اور علمی دنیا میں اس سلسلہ میں ایک شعبہ ہمیشہ باقاعدہ منظم طریق سے کام کرتا رہا۔ مدارس میں اس فن کی باقاعدہ تیاری قدیم سے چلی آرہی ہے۔ اور جو لوگ اس فن میں تاک ہو جاتے ہیں۔ انہیں معاشرتی طور پر بلند مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے حضرات عوام کی طرف سے پیش کردہ سوالات کا شافی جواب لکھ کر نہ صرف فوری طور پر ان کی تشفی کرتے ہیں۔ بلکہ اس ریکارڈ کو آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ بھی کر دیا جاتا ہے۔ اس قسم کی نادرۂ روزگار چیزیں آئندہ چل کر مرتب ہو کر چھپ جاتی ہیں جس سے اللہ کی مخلوق برابر استفادہ کرتی رہتی ہے۔ برصغیر میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی، حضرت تھانوی، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی اور مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہم اللہ تعالیٰ ایسے بزرگ ہو گذرے ہیں جن کے فتاوے بڑے اہتمام سے مرتب ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔ اور خلقِ خدا کی رہنمائی کا کام دے رہے ہیں۔

اس سلسلہ کی تازہ کڑی زیر تبصرہ کتاب ہے جو اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ موصوف کے ایک خادم نے مختصراً آپ کی سوانح حیات مرتب کی ہے۔ جو اس مجموعہ کی ابتداء میں شامل ہے۔ جس کے ذریعہ صاحبِ فتاویٰ کی شخصیت کو سمجھنا آسان ہو گیا ہے۔

اس کے بعد "کتاب الایمان والعقائد" کے عنوان سے مختلف النوع مسائل پر جاری ہونے والے فتاوی ہیں اور اس ضمن میں بعض مستقل اور معرکۃ الآراء رسائل شامل ہیں۔ جن میں حقیقت شیعہ پر ۶۰ سے زائد صفحات 'انکار حدیث' پر قریباً ۵۰ صفحات اور مودودی صاحب کی تخریب کاری پر ۳۰ صفحات کے رسائل ٹھوس اور سنجیدہ گفتگو کے اعتبار سے بہت اہم ہیں علاوہ ازیں ۷۰ صفحات کا ایک رسالہ شامل کتاب ہے جس کا عنوان ہے "بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا" —— یہ بالخصوص اندرون سندھ پھیلی ہوئی ایک جماعت یعنی "دیندار انجمن" کے متعلق ہے جن کی ظاہری شکل و صورت سے عام آدمی فوری طور پر دھوکہ کھا سکتا ہے اس جماعت کے عجیب و غریب عقائد جو اپنی گمراہی کے اعتبار سے قادیانی فرقہ سے کسی صورت کم نہیں کا اچھا اور مدلّل پوسٹ مارٹم ہے۔ اس کے علاوہ ذکری فرقہ، قادیانیت پر بھی موصوف نے مدلل قلم اٹھایا ہے۔ پھر ردِّ بدعات کا باب ہے پھر کتاب العلم والعلماء، کتاب التفسیر والحدیث اور کتاب السلوک! اور ہر حصہ کے آخر میں متعلقہ حصہ سے متعلق مفتی صاحب کے مستقل رسائل شامل ہیں۔

اس طرح یہ مجموعہ اہل علم کے علاوہ عام اردو دان طبقہ کے لیے ایک قیمتی دستاویز بن گیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ علمی و دینی معلومات حاصل کرنے کا ذوق رکھنے والے حضرات اس مجموعہ کی قدر کریں گے موجودہ مہنگائی کے زمانہ میں قیمت مناسب اور واجبی ہے۔ ہم اس کتاب کے مطالعہ کی زبردست سفارش کرتے ہیں بالخصوص مدرسہ عربیہ کے ہر طالب علم سے! (حافظ)

الدلائل القاهره

برصغیر کی تاریخ میں بڑے بڑے حوادث رونما ہوئے جنہوں نے مسلمانوں کی اجتماعیت کو سخت نقصان پہنچایا منجملہ ان کے ایک حادثہ "تکفیر مسلمین" کا تھا جو برصغیر کے دورِ غلامی میں مسلسل اذیت و پریشانی کا باعث بنا رہا۔ ایک طبقہ جس کی قیادت بریلی کے جناب مولوی احمد رضا صاحب کر رہے تھے ان کی ناوک انگنی سے ملت کا کوئی طبقہ بچ نہ سکا۔ اور یہ مشغلہ ان کے لیے ایک پسندیدہ مشغلہ بن گیا۔ اس کے جو نقصانات ہوئے ان

میں واضح تر یہ نقصان ہوتے کہ اختلاف کے پیشِ نظر آزادی کا مسئلہ کھٹائی میں پڑ گیا، علماء کی عظمت کم ہوئی لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ ان کا دھندا ہی تکفیر ہے اور جو لوگ اور طبقات واقعی کافر تھے مثلاً مرزائی وغیرہ ان کے متعلق بھی بعض لوگوں کا یہ ذہن بن گیا کہ انہیں بھی ایسے ہی نشانہ بنایا گیا ہے جیسا کہ دوسرے طبقات ایک دوسرے کو

آراء و تاثرات

بسلسلہ حضرت بنوریؒ نمبر

○ جناب مولانا محمد لطافت الرحمٰن صاحب اسلامی یونیورسٹی بہاولپور

مکرم و محترم جناب علوی صاحب گرامی قدر

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

مجلہ خدام الدین کا علامہ بنوریؒ نمبر اگرچہ تاریخ موعود سے کچھ دیر میں ملا۔ تاہم موصول ہوکر آنکھوں کے لیے موجب نور اور دلوں کے لیے باعث سرور ہوا جس سے زحمت انتظار کا احساس بھی نہیں رہا جبکہ تاخیر کی مکافات بھی نہایت قیمتی اور طویل اضافہ سے فرما دی گئی۔ جزاک اللہ۔

ع : این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

الحمد للہ! نمبر نہایت پسندیدہ، نہایت عمدہ، نہایت وقیع اور بلند ہے۔ شانِ طباعت و اشاعت بھی حد درجہ آب و تاب کا حامل ہے۔ جس کے لیے آپ اور آپ کے رفقاء نہ صرف یہ کہ علماءِ حق کی طرف سے تحسین و تبریک کے مستحق ہیں بلکہ اس نمبر کی ایک ایک سطر پر جو اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو انعام و اکرام عطا فرمائے گا وہ آپ کے لیے بہت کچھ ہے . . . . . .

○ جناب مکرم پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب کراچی

جناب محترم مولانا علوی صاحب زیدت معالیکم

السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آپ کا ارسال کردہ خدام الدین کا علامہ بنوری نمبر ملا۔ اس عنایت کے لیے میں شکرگزار ہوں۔ ماشاء اللہ آپ نے قلیل مدت میں ایک معیاری نمبر نکالا۔ اس سے آپ کے جذبہ صادق، خلوص اور محنت کا اندازہ ہوتا ہے۔ معزز لکھنے والوں کا تعاون بھی آپ کو خوب حاصل رہا۔ تمام شرکاء مجلس نامور عالم اور اہل قلم ہیں۔ پھر مضامین بھی نہایت قیمتی اور معیاری ہیں۔ ان مضامین سے مولانا بنوری کے حالات و سوانح اور ان کی علمی خدمات پر کماحقہ روشنی پڑتی ہے۔ حکیم عزیزالرحمٰن کی تاریخیں خوب ہیں۔ نظم کا حصہ بھی معیاری ہے۔ میں نے آپ کا سفرنامہ بڑی دلچسپی سے پڑھا۔ میں اس کامیاب نمبر کی اشاعت پر آپ کو ایک مرتبہ پھر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ فقط والسلام

○ مولانا قاضی عبدالحلیم صاحب نائب مفتی و استاذ مدرسہ نجم المدارس کلاچی (ڈیرہ اسمٰعیل خان)

برادر اعز و اغر جناب مولانا علوی صاحب دامت معالیکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ . . . . .

خدام الدین کا سید بنوری نمبر صوری و معنوی خوبیوں کے ساتھ باصرہ نواز ہوا۔ آپ کی محنت و کوشش

نشانہ بناتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ملت   بدقسمتی سے یہ سلسلہ آزادی کے بعد   ہو جاتے ہیں اور لطف یہ کہ پھر
کی زندگی میں فتوؤں کی اہمیت کو   بہت   بھی جاری ہے اور اس قماش کے افراد   ڈھٹائی سے انکار بھی کرتے ہیں اور
نقصان ہوا۔   جب چاہیں اس دھندہ میں پھر سرگرم   جن افراد و طبقات کو نشانہ بنائے رکھا

اور تگ و دو کی داد نہ دینا ستم ظریفی ہے۔ حضرت بنوریؒ کی روح پُرفتوح آپ کی اس سعی بلیغ پر انشاء اللہ وجد میں ہوگی۔ قبلہ والد صاحب مدظلہ (مولانا قاضی عبدالکریم مہتمم مدرسہ) نمبر دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور آپ کے حسنِ ذوق کی بار بار تعریف کی۔ خدا کرے آپ کی یہ خدمت بارگاہِ ایزدی میں شرف قبول پائے اور حضرت بنوریؒ کے جملہ عشّاق و خدام کے لیے مثمر برکاتِ دارین ہو۔ آمین

○ جناب ابو سلمان شاہ جہان پوری —— کراچی

مکرمی! سلام مسنون

کل کی ڈاک سے جوں ہی خدام الدین کا حضرت علامہ بنوری (علیہ الرحمہ) نمبر ملا۔ ورق گردانی شروع کر دی۔ پھر آخری صفحات کی فکر انگیزیوں اور علوم و معارف یوسفی کے بعض نادر پہلوؤں نے سرسری نظر کو اپنی طرف پوری طرح کھینچ لیا اور اس وقت تک اس سے اپنی توجہ نہ ہٹا سکا اور انہماک ختم نہ کر سکا جب تک یہ حصہ ختم نہ کر لیا۔ پھر مکاتیب کے حصے سے استفادہ کیا۔ پھر آپ کے سفر نامہ کراچی کے مطالعے سے لطف اندوز ہوا۔ اس کے بعد نمبر کو شروع سے دیکھا۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے وصال پر حضرت علامہ مرحوم کا عربی مرثیہ خاص توجہ کا موضوع بنا۔

مجھے نہایت خوشی ہوتی کہ حضرت شیخ الحدیث علامہ محمد یوسف بنوری کی شخصیت، سیرت، سوانح و افکار، علوم و معارف اور خدمات دینی و ملّی کے تذکار حسنہ کو آپ نے نہایت خوبی اور کمال ترتیب و تہذیب کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ مضامین سب ہی خوب ہیں بلکہ خوب سے خوب تر ہیں لیکن مجھے سب سے زیادہ متاثر آپ کے "دردِ دل" نے کیا۔ . . . . میں آپ کی اس بلند علمی خدمت کے بارے میں چند مضامین کا نام یہاں ضرور لوں گا جنہوں نے مجھے خاص طور پر متاثر کیا۔ حافظ عبدالرشید کا مضمون حضرت علامہ کاشمیری پر خاصے معرکہ کی چیز ہے، مولانا طاسین صاحب کا مضمون نہایت عالمانہ اور پُراز معلومات ہے اس قسم کا مضمون وہی لکھ سکتے تھے۔ مولانا سید حامد میاں کا مضمون پڑھ کر دل کی عجیب کیفیت ہوئی اس نے کتنی ہی گمشدہ یادوں کو حافظے کے پردے پر لا کھڑا کیا۔ مدرسہ شاہی مسجد میں تعلیم کا زمانہ، صدیق عزیز مولوی محمد اسمٰعیل (ابن حضرت علامہ مولانا عبدالحق مدنیؒ) کے ساتھ شب و روز کے دلچسپ مشاغل، طرح طرح کی شرارتیں۔ حضرت علامہ مدنی کی جھڑکیاں۔ مولانا حامد میاں اس زمانے میں دیوبند میں دورۂ حدیث میں مشغول تھے۔ لیکن مراد آباد ان کا آنا ہوتا رہتا تھا۔ جب سے وہ ملک و دیار چھوٹا سب باتیں خواب و خیال ہو گئیں۔

مجھے امید ہے کہ ہمارے نوجوان خصوصًا دینی خدمت گزار، دینی مدارس کے طلبہ حضرت علامہ علیہ الرحمہ کے سوزِ دروں، گداز قلب، علوِ فکر و نظر، ایثار للہ و فی اللہ، خشیت الٰہی، بےنفسی و بےغرضی اخلاص و للّٰہیت کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنائیں گے جو اس نمبر کے ہر مضمون، ہر صفحے اور ہر ہر سطر میں نمایاں ہے۔

ان سے اپنی دوستی و محبت کا ڈھنڈورہ پیٹتے ہیں۔ اس دھاندلی اور بدترین قسم کی خیانت کا ایک ہی حل ہے اور وہ یہ ہے کہ اصل حقائق منظرِ عام پر لائے جائیں۔ چنانچہ اسی جذبہ کے پیشِ نظر "انجمن ارشاد المسلمین ۲ شاداب کالونی حمید نظامی روڈ لاہور" نے جناب مولوی احمد رضا صاحب بریلوی کا ایک ایسا فتویٰ شائع کیا ہے جو تقریباً ۱۹۱۳ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اراکین و عہدیداروں کے خلاف جناب "اعلیٰ حضرت" نے دیا اور روایتی انداز میں سب کو کافر بنایا۔ ۱۹۴۲ء میں قرارداد پاکستان کی منظوری کے تین سال بعد مسلم لیگ کے متعلق فتویٰ کی طلب پر وہی فتوے بعینہٖ لیگ، بانی پاکستان اور ان کے رفقاء پر چسپاں کر دیا گیا اور برصغیر کے ۸۰ بڑے بڑے حضرات نے جو "اعلیحضرت" کے نام لیوا تھے اس پر دستخط ثبت کر دئیے۔ اس ساری صورتِ حال کو دیکھ کر عوام کے لیے یہ سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ آج کے دور میں "دو قومی نظریہ" کے نام نہاد علمبردار اور بانی پاکستان وغیرہ کے نئے نیلے عقیدت مندوں کا ماضی میں کیا کردار تھا؟

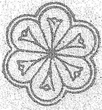
اس کے ساتھ ہی لاہور کے مشہور ادارہ "حزب الاحناف" کے مہتمم جناب مولوی ابوالبرکات صاحب کا اسی قسم کا ایک فتوےٰ شامل ہے۔

انجمن ارشاد المسلمین نے اس اہم دستاویز کو منظرِ عام پر لا کر ملت پر بڑا احسان کیا ہے جس سے اہل حق کے دشمنوں کو آئینہ میں چہرہ دکھانا آسان ہو جائے گا۔

قیمت اڑھائی روپے ہے زیادہ سے زیادہ اس کی تشہیر کر کے اپنا ملّی فریضہ سرانجام دیں۔

مقامع الحدید علی الکذاب العنید

انجمن ارشاد المسلمین لاہور نے جیبی سائز میں ۹۶ صفحات کا یہ رسالہ بہت خوبصورت انداز سے شائع کیا ہے یہ رسالہ آج سے کئی سال قبل بریلی (اب لکھنؤ) کے مشہور رسالہ "الفرقان" میں شائع ہوا۔ در اصل اعلیحضرت بریلوی کے ایک نام لیوا مولوی عبدالعزیز صاحب نے "المصباح الجدید" کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔ رسالہ کیا تھا ان ہفوات و خرافات اور بہتان طرازیوں کا پلندہ جسے یہ طبقہ ہمیشہ دہراتا ہے مولانا محمد حنیف صاحب رہبر اعظمی نے اس کا مدلل و دندان شکن جواب دیا۔ حضرت شیخ الہند کے مرثیہ، فتاویٰ رشیدیہ اور حفظ الایمان وغیرہ کی عبارات پر اغیار کی نکتہ چینی کا ایسا جواب بہت کم نظر سے گذرا۔ فاضل مجیب نے دوسرے باب میں "اعلیحضرت بریلوی" کے "دین" کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ ایک ایسی دستاویز ہے جو ہر پڑھے لکھے آدمی کو اپنے پاس رکھنی چاہیے۔ تاکہ "عشقِ رسول" کے بلا شرکت غیرے اجارہ داروں کا چہرہ بوقت ضرورت انہیں دکھلایا جا سکے۔ یہ خوبصورت اور قیمتی رسالہ -/۳ روپے میں دستیاب ہے۔



حضرت ... کا عدیم النظیر ترجمہ و تفسیر



عکسی طباعت ○ مضبوط سنہری جلد

بہترین آفسٹ پیپر ○ ہدیہ ۵۰/ روپے

منظور شدہ محکمہ تعلیم: ۱:- لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۱۶۳۲۱۹ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۹ء ۲:- پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری TBC ۲۳۷ - ۲۴۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۴ء ۳:- کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۹/۳۹-۲۰۷۶۷-۹-DDA مورخہ ۲۳ اگست ۱۹۶۴ء ۴:- راولپنڈی ریجن بذریعہ میمو GM/۲۰-۱۵۳۱۰ مورخہ ۳ مارچ ۱۹۶۴ء

حضرت الامام، قطب زماں، شیخ الشیوخ، مؤسس ثانی جمعیۃ علمائے اسلام

شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہٗ

بانی انجمن خدام الدین لاہور

کی یاد میں

آپ کے محبوب جریدہ ہفت روزہ

خدام الدین لاہور کی خصوصی اشاعت

حضرت اقدس کے یوم وفات ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ کو انشاء اللہ

منصۂ شہود پر آئے گی

خدام الدین کے عظیم و ضخیم نبوی نمبر کی مقبولیت کے بعد

کارکنان ادارہ اپنے مرحوم بانی کی بارگاہ میں ارمغان دل پیش کرنے کا عزم کرتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں دست بدعا ہیں کہ اللہ رب العزت ہمیں اپنے ارادوں میں کامیاب و کامران فرمائے۔

ہم اس یادگار زمانہ اور تاریخی دستاویز کیلئے اہل علم و اہل قلم حضرات سے خصوصی تعاون کی درخواست کریں گے، حضرت کے متعلقین کے علم میں کوئی واقعہ ہو تو ہمیں لکھ کر ارسال کر دیں اور حضرت کا کوئی گرامی نامہ یا کوئی اور تحریر ہو تو اس کا فوٹو ارسال کر دیں یا اسی طرح بھیج دیں، ہم فوٹو لے کر بحفاظت آپ کو واپس کر دیں گے۔ (ادارہ خدام الدین لاہور)